وَلَقَدۡ يَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّكۡرِ فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّكِرٍ

اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے

جلد 6	شمارہ 12	محرم 1434ھ	دسمبر 2012ء

ماھنامہ

حکمتِ بالغہ

جھنگ

مدیر مسئول : انجینئر مختار فاروقی

مشاورت

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی
حافظ مختار احمد گوندل
پروفیسر خلیل الرحمٰن
محمد فیاض عادل فاروقی

مدیر معاون و نگران طباعت: مفتی عطاء الرحمٰن

تزئین و گرافکس: سعد حسن خان

قانونی مشاورت:
محمد سلیم بٹ ایڈووکیٹ، چودھری خالد اشیر ایڈووکیٹ

ترسیل زر بنام: انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

اہل ثروت حضرات کے لیے تاحیات زرتعاون پندرہ ہزار روپے یکمشت

سالانہ زرتعاون: اندرونِ ملک 350 روپے، قیمت فی شمارہ 35 روپے

قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر پاکستان پوسٹ کوڈ 35200

047-7628561-7628361

ای میل: hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ: www.hikmatbaalgha.com، www.hamditabligh.net

پبلشر: انجینئر مختار فاروقی طابع: محمد فیاض مطبع: سلطان باہو پریس فوارہ چوک جھنگ صدر

اَلْکَلِمَۃُ الْحِکْمَۃُ ضَآلَّۃُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ وَجَدَھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا (ترمذی)

حکمت کی بات بندۂ مومن کی گم شدہ چیز ہے جہاں کہیں بھی وہ اس کو پائے وہی اس کا زیادہ حق دار ہے

مشمولات

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات	سورۃ المدثر	3
2	حرفِ آرزو اِتحادِ اُمت مسلمہ کی آرزُو	انجینئر مختار فاروقی	6
3	انبیاءِ کرام علیہم السلام پر فلمیں توہین رسالت کے مترادف		13
4	یورپ پر اسلام کے احسانات	ڈاکٹر محمد رفیع الدین	17
5	پاکستان کی موجودہ حالتِ زار (سورہ ابراہیم کی روشنی میں)	محمد نذیر یاسین	34
	اہل علم اور رسائل و جرائد کی آراء و تاثرات		52
	آئینہ حکمت بالغہ 2012ء		61

ماہنامہ حکمت بالغہ میں قلمی تعاون کرنے والے حضرات کے مضامین معلومات کے تبادلے اور وسیع تر انداز میں خیر کے حصول اور شر سے اجتناب کے لیے چھاپے جاتے ہیں اور ادارے کا مضمون نگار حضرات سے تمام جزئیات میں اتفاق ضروری نہیں۔

یہ رسالہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ نہ ملنے کی صورت میں 6 تاریخ تک دفتر رابطہ فرمائیں (ادارہ)

قرآن مجید

کے ساتھ

چند لمحات

سورۃ المدّثّر

سورۃ المدّثّر کی پہلی سات آیات بالکل ابتدائی دور میں نازل ہوئیں۔ ان آیات میں نبی اکرم ﷺ کو پہلی مرتبہ حکم دیا گیا کہ آپ لوگوں کو کفر و معصیت کے بُرے انجام سے ڈرائیں اور اللہ کی بڑائی اور عظمت کا اعلان کریں اور آپ اپنے آپ کو ہر لحاظ سے انتہائی پاکیزہ رکھیں اور کامل اخلاص کے ساتھ اپنا فریضہ ادا کریں (تاکہ نبوت و رسالت کے عظیم کام کے تقاضے پورے ہو سکیں) اور اس میں جو مشکلات و مصائب پیش آئیں ان پر اپنے رب کی خاطر صبر کریں۔

اس فرمانِ الٰہی کی تعمیل میں جب نبی اکرم ﷺ نے تبلیغ شروع کی اور قرآن کی پے در پے نازل ہونے والی سورتیں سنانا شروع کیں تو کفارِ مکہ کی طرف سے مخالفتوں کا ایک طوفان اُٹھ کھڑا ہو گیا اور انھوں نے قرآن کی دعوت کو دبانا اور نبی اکرم ﷺ کے خلاف پروپیگنڈا کرنا شروع کر دیا۔

اگلی آیات میں کفار کو خبردار کیا گیا ہے کہ جو کچھ تم کر رہے ہو اس کا برا انجام تم قیامت کے دن دیکھ لو گے۔ پھر مکہ کے سرداروں میں سے کسی کا نام لیے بغیر

بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو کیا کچھ نعمتیں دی تھیں اور ان کا جواب اس نے کیسے حق دُشمنی سے دیا۔ وہ اپنی صریح بدباطنی کے باوجود توقع کرتا ہے کہ اسے مزید انعامات سے بھی نوازا جائے۔ اُسے ہرگز یہ حق نہیں پہنچتا کہ ایسی توقع باندھے۔ پھر دوزخ کی ہولنا کیوں اور اس میں جانے والے لوگوں کے اخلاق و کردار کا ذکر ہے۔ پھر کفار کے انکار کی اصل وجہ بتائی گئی ہے کہ وہ چونکہ آخرت سے بے خوف ہیں اور اسی دنیا کی زندگی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اس لیے وہ قرآن سے اسی طرح بھاگتے ہیں جیسے شیر سے ڈر کر جنگلی گدھے بھاگ رہے ہوں اور ایمان لانے کے لیے بے تکی شرطیں لگاتے ہیں مثلاً یہ کہ (نعوذ باللہ) من جانب اللہ ان کے پاس کھلے خط بھیجے جائیں۔ آخر میں صاف صاف فرما دیا کہ قرآن ایک عام نصیحت ہے جو سب کے سامنے پیش کر دی گئی ہے، اب جس کا جی چاہے قبول کر لے۔ اور اللہ کا یہ حق ہے کہ بندے اس کی مرضی کے خلاف نہ کریں اور اس کی یہ شان بھی ہے کہ جو گناہوں سے سچی توبہ کرتا ہے وہ اسے معاف کر دیتا ہے خواہ وہ پہلے کتنی ہی نافرمانیاں کر چکا ہو۔

اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

يٰۤاَيُّهَا الۡمُدَّثِّرُ O

اے (محمد ﷺ) لحاف میں لپٹنے والے

قُمۡ فَاَنۡذِرۡO وَ رَبَّكَ فَكَبِّرۡO

اُٹھو اور (کفر و معصیت کے برے انجام سے)

ڈراؤ اور اپنے پروردگار کی بڑائی کرو

وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرۡO وَ الرُّجۡزَ فَاهۡجُرۡO

اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو اور (معاشرے میں پھیلی) ناپاکی سے دور رہو

وَ لَا تَمۡنُنۡ تَسۡتَکۡثِرُO وَ لِرَبِّکَ فَاصۡبِرۡO

اور (اس نیت سے) احسان نہ کرو کہ اس سے زیادہ کے طالب ہو

اور اپنے پروردگار کے لئے صبر کرو

فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوۡرِO

جب صور پھونکا جائے گا

فَذٰلِکَ یَوۡمَئِذٍ یَّوۡمٌ عَسِیۡرٌO عَلَی الۡکٰفِرِیۡنَ غَیۡرُ یَسِیۡرٍO

وہ دن مشکل دن ہوگا (بالخصوص) کافروں پر آسان نہ ہوگا

ذَرۡنِیۡ وَ مَنۡ خَلَقۡتُ وَحِیۡدًاO

ہمیں اس شخص سے سمجھ لینے دو جس کو ہم نے منفرد پیدا کیا

وَّ جَعَلۡتُ لَہٗ مَالًا مَّمۡدُوۡدًاO

اور اس کو بہت سارا مال دیا

وَّ بَنِیۡنَ شُہُوۡدًاO

اور (ہر وقت پاس) حاضر رہنے والے بیٹے (دیے)

وَّ مَہَّدۡتُّ لَہٗ تَمۡہِیۡدًاO

اور ہر طرح کے سامان میں خوب وسعت دی

ثُمَّ یَطۡمَعُ اَنۡ اَزِیۡدَ O

ابھی خواہش رکھتا ہے کہ اور دوں

کَلَّا ؕ اِنَّہٗ کَانَ لِاٰیٰتِنَا عَنِیۡدًاO

ہرگز نہیں ! یہ ہماری آیتوں کا دشمن ہوگیا

سَاُرۡہِقُہٗ صَعُوۡدًاO

اب اسے ایک چڑھائی پر چڑھاؤں گا

اِنَّہٗ فَکَّرَ وَ قَدَّرَ O فَقُتِلَ کَیۡفَ قَدَّرَO

اس نے غور کیا اور ذہن بنایا اور مارا جائے اس نے کیسا ذہن بنایا

ثُمَّ قُتِلَ كَيۡفَ قَدَّرَ O ثُمَّ نَظَرَO

پھر یہ مارا جائے اس نے کیسا ذہن بنایا۔ پھر رُکا

ثُمَّ عَبَسَ وَ بَسَرَO

پھر تیوری چڑھائی اور منہ بگاڑ لیا

ثُمَّ اَدۡبَرَ وَ اسۡتَكۡبَرَO

پھر پشت پھیر کر چلا گیا اور (قبول حق سے) تکبر کیا

فَقَالَ اِنۡ هٰذَآ اِلَّا سِحۡرٌ يُّؤۡثَرُ O

پھر کہا! یہ تو جادو ہے جو (اگلوں سے) منتقل ہوتا آ رہا ہے

اِنۡ هٰذَآ اِلَّا قَوۡلُ الۡبَشَرِ O

(اللہ کا کلام نہیں بلکہ) یہ کسی بشر کا کلام ہے

سَاُصۡلِيۡهِ سَقَرَO وَ مَآ اَدۡرٰكَ مَا سَقَرُO

ہم عنقریب اس کو سقر میں ڈالیں گے اور آپ نہیں سمجھتے کہ سقر کیا ہے؟

لَا تُبۡقِىۡ وَ لَا تَذَرُO لَوَّاحَةٌ لِّلۡبَشَرِO

(وہ آگ ہے کہ) نہ باقی رکھے گی اور نہ چھوڑے گی

بدن کو جھلس کر سیاہ کر دے گی

عَلَيۡهَا تِسۡعَةَ عَشَرَ O

اس پر اُنیس (داروغے) ہیں

صدق اللّٰه العظیم

اِتحادِ اُمت مسلمہ کی آرزُو
............ایک مہکتی آرزو

انجینئر مختار فاروقی

- دنیا کے نقشے پر نظر ڈالیں تو دنیا میں 60 کے قریب آزاد مسلمان ممالک ہیں۔ متمدّن دنیا کا بہترین رقبہ ان کے پاس ہے۔ قدرتی وسائل پٹرول، معدنیات، زرعی زمینیں، دریا، آبپاشی کے نظام وغیرہ ان کے پاس ہیں۔ افرادی قوت ذہنی صلاحیتیں اور کچھ کرگزرنے کا جذبہ انہی کے پاس ہے۔ مالی طور پر دنیا کے امیر ترین افراد اور امیر ترین ریاستیں مسلمانوں کے پاس ہیں۔ مجموعی مالی وسائل کو دیکھیں تو یہود سے بڑھ کر وسائل بھی عالم اسلام کے پاس ہیں۔
- عالمی سطح پر اتحاد، یکجہتی اور نظریاتی ہم آہنگی پر نظر ڈالیں تو ان ممالک کے عوام اور حکمران مختلف اور متضاد IDEALS اور اہداف کے پیچھے دوڑ رہے ہیں۔ ان تمام مسلم ممالک کے حکمرانوں، اشرافیہ اور جدید تعلیم یافتہ حضرات کی عظیم اکثریت میں جو چیز مشترک نظر آتی ہے وہ مغربی ممالک سے وفاداری ہے اور مغربی تہذیب سے لگاؤ ہے۔
- دنیا کے ایسے ممالک جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں وہاں مسلمانوں کی حالت زار دیکھ اورسن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور دردمند مسلمانوں کی نیندیں اُڑ جاتی ہے۔ فلسطین میں آئے روز اسرائیلی غنڈوں کی جارحیت اتنی منہ زور ہے کہ اس کا کوئی توڑ دور دور تک نظر نہیں آ رہا۔ مسلم ممالک اب رسمی طور پر بھی اسرائیل اور اس کے سرپرستوں کی مذمت کرنے کے اہل نہیں رہے۔ کشمیر میں مسلمانوں کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ برما میں بدھ مت کے پیروکار ـــــــ جو

’امن پسند‘ ہونے میں دنیا میں مثال سمجھے جاتے تھے، ایسے بپھر گئے ہیں کہ مسلمانوں کو زندہ جلانے کے پے در پے واقعات ہو رہے ہیں اور عالم اسلام ٹس سے مس نہیں ہو رہا کوئی ملک UNO چارٹر کے تحت UNO کا اجلاس بلا کر اس کے لئے کچھ سوچ بچار کرنے کے لئے بھی آگے بڑھنے کو تیار نہیں۔ یہ بیچاری UNO جو اب صرف امریکی داشتہ کا روپ دھار چکی ہے اور صرف امریکی یہودیوں کی ہر جائز ناجائز خواہش ہی پوری کرنے کو اپنا مشن بنا چکی ہے مسلمانوں کے لئے کیا کرے گی اس امر کی گواہ کشمیر پر UNO کی قرار دادیں ہیں جو چھ عشروں سے عمل درآمد کی منتظر ہیں۔ یورپ اور امریکہ میں مسلمان اپنے شعائر پر عمل نہیں کر سکتے۔ پردہ کرنے اور سکارف لینے پر مسلمان خواتین کو قتل کر دینے کے واقعات ہیں۔ سکارف اور دوپٹے پر پابندی ہے۔

عراق اور افغانستان میں فوجیں داخل کر کے مسلمانوں پر مظالم کے پہاڑ توڑے گئے اور آزادی کو غلامی میں بدل دیا گیا ہے۔ لیبیا، شام اور یمن میں کیا ہو رہا ہے؟ پاکستان کے مغربی علاقے فاٹا میں ڈرون حملے ہیں۔ فاٹا کے ہمارے مسلمان بھائی ہمارے اجتماعی ضمیر کی بیداری کے منتظر ہیں کہ کب ان کے زخموں پر مرہم رکھا جا سکے اور ان کی عزت و آبرو محفوظ بنائی جا سکے۔

- اجتماعی سطح پر اُمت مسلمہ کے پاس اتنے وسائل، افرادی قوت اور علاقے کے باوجود عالمی معاملات میں ہمارا کوئی عمل دخل اور رائے ہی نہیں۔ چھوٹے چھوٹے ممالک کی رائے لی جاتی ہے ان کی کوئی SAY ہے مگر یہ مقام میسر نہیں تو مسلمان ممالک کے عوام اور ان کے سربراہوں کو۔ ہماری مسلم تنظیم OIC کچھ نہیں کر سکتی۔ برما کے مسلمانوں کے لئے وفد بھیجنے کی بھی پوزیشن میں نہیں ہے UNO کو آمادۂ عمل (MOTIVATE) کرنے کا کوئی داعیہ نہیں رکھتی۔ عملی طور پر مسلمانوں کے زخموں پر کوئی مرہم رکھنے والا ادارہ یا حکمران کہیں نظر ہی نہیں آتے۔

- اس پر مستزاد ہماری بے حمیتی، بے غیرتی اور دین سے بے وفائی کی سزا کے طور پر ہمارے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کی توہین ہے، کارٹون ہیں، فرضی خاکے ہیں، قرآن جلائے جانے کے واقعات ہیں، آپ ﷺ کی شخصیات پر مذاق ہیں اور فرضی دلخراش اور جگر سوز فلمیں ہیں۔ کس کس پہلو سے مسلمانوں کا دل جلانے کا اہتمام نہیں کیا جا رہا ہے اور مسلمانوں کی طرف سے ردِ عمل ہوتا ہے تو دہشت گردی کا لیبل (LABEL) ہے، مساجد پر پہرے ہیں، مساجد کی معیّن اوقات

کے علاوہ بندش ہے۔اسلامی شعائر داڑھی اور پگڑی کو دہشت گردی کی علامت قرار دیا جا چکا ہے اور بطور علامت (SYMBOL) دہشت گرد اور داڑھی والا مسلمان ہم معنی قرار دیا چکے ہیں۔یہ سوچ مغرب میں نہیں ہمارے ہاں کے مغرب زدہ جدید تعلیمیافتہ طبقہ میں بھی راسخ ہو چکی ہے حتیٰ کہ ہماری یونیورسٹیوں کے طلباء وطالبات میں بھی عام ہے۔

- عالم اسلام کے حالات پر اُوپر درج اجتماعی تجزیہ (MACRO ANALYSIS) سے قطع نظر اگر تمام مسلمان ممالک میں داخلی طور پر اسلامی جذبات اور اسلامی شعائر سے محبت کا باریک بینی (MICRO-ANALYSIS) سے جائزہ لیں تو صورتِ حال کہیں زیادہ تشویشناک ہے مسلمان عوام کی مجموعی طور پر اکثریت دین اور دینی شعائر سے لاتعلق ہے اور صرف رسمی اور ناگزیر تعلق باقی رہ گیا ہے۔مشرقِ وسطیٰ کے عرب ممالک میں مغربی تہذیب مسلم عوام میں گہری اُتر چکی ہے سعودی عرب میں بھی جہاں دو عشرے پہلے تک کچھ تاریخی اور روایتی اسلامی تہذیب وتمدن کے اثرات نمایاں تھے اب بڑی تیزی سے پامال ہو رہے ہیں۔پاکستان میں بھی صورتِ حال کسی طور پر بھی تسلی بخش نہیں ہے۔آنکھیں بند کر لی جائیں تو شاید سب اچھا محسوس ہو وگرنہ ــــــ یہاں کے نوجوانوں کی اکثریت مغربی معاشرت، رہن سہن، فلمیں، ڈرامے، انٹرنیٹ، گانے، موسیقی، موبائل فون پر گفتگو اور SMS بھیجنے وصول کرنے سے فارغ ہی نہیں، رہی سہی کسر کرکٹ پوری کر رہی ہے۔

- تصویر کا ایک رُخ اور تاریک پہلو یہ ہے ــــــ دوسری طرف نگاہ دوڑائیں تو ہمیں ملائشیا انڈونیشیا سے لے کر مراکش تک ہر ملک میں مخلص مسلمانوں اور باعمل نوجوانوں میں حکمرانوں سے مایوسی اور مغربی طاقتوں بالخصوص امریکہ کی مسلمان ریاستوں میں مداخلت پر شدید ردِعمل پایا جاتا ہے اور وقتاً فوقتاً اس کا اظہار بھی ہوتا رہتا ہے۔

اجتماعی سطح پر جہادی تحریکیں اور مزاحمتی تحریکیں اپنا کام کر رہی ہیں۔تعلیمی اور تربیتی میدان میں اصلاحی کام کے لئے جماعتیں، انجمن اور افراد سرگرم عمل ہیں۔میڈیا کے ذریعے جس زور سے مسلم ثقافت، دینی شعائر پر حملے ہو رہے ہیں اسی مناسبت سے اس کے مقابلے کے لئے مسلمان اُٹھ رہے ہیں اور ان کا مقابلہ کرنے کے لئے میدانِ عمل میں کود رہے ہیں۔

- مغربی، سیاسی، ثقافتی، تجارتی، معاشی اور میڈیا کی سطح پر اس یلغار میں ہر درد مند مسلمان پریشان ہے۔ ہر سلیم الفطرت نوجوان مضطرب ہے کہ کوئی راستہ ایسا نہیں جس پر چل کر وہ اُمت مسلمہ کے لئے کوئی کام کر سکے۔ جس چیز کا فقدان ہے وہ مسلمانوں کے درمیان جاری تحریکی، اصلاحی، تربیتی اور دعوتی سرگرمیوں میں یکجہتی اور یکسوئی ہے۔ اس یکجہتی اور یکسوئی کے لئے اتحاد کی ضرورت ہے جس کا امکان دُور دُور تک نظر نہیں آتا۔ مختلف ممالک کے لوگ اپنی اپنی سطح پر وسائل خرچ کر رہے ہیں۔ مجالس، کانفرنسیں، سیمینار، تقریریں ہو رہی ہیں مگر اکثر اپنے ہی کسی دوسرے مسلمان گروہ کی کوششوں کو محدود کرنے اور ناکام کرنے کے لئے۔ مقابلے میں دوسرا گروہ بھی مسلکی بنیاد پر ایسا ہی کر رہا ہے۔ اس صورتِ حال سے اگر کوئی خوش ہے تو وہ صرف ہمارا دشمن ہے۔
- عالمی سطح سے اُتر کر صرف پاکستان کے حالات پر غور کریں تو ہمیں کئی زمینی حقائق کا بچشم سر مشاہدہ ہوگا کہ ہم چاہتے کیا ہیں اور کر کیا رہے ہیں؟

پاکستان کی سطح پر اس وقت 'اتحاد' کے لئے کئی کوششیں ہو رہی ہیں ماضی میں بھی کئی اتحاد بنے مگر وہ دیرپا ثابت نہ ہو سکے اور اپنے مقاصد میں ناکام رہے۔ اس وقت تک مذہبی اور ملّی لحاظ سے چار مختلف اتحاد سامنے ہیں۔ ایک سیاسی اتحاد ہے جس کو مولانا فضل الرحمٰن صاحب لے کر چل رہے ہیں باقی تین اتحاد غیر سیاسی ہیں۔

- ان سطور پر ہم غیر سیاسی سطح پر وجود میں آنے والے تین اتحادوں کے بارے میں اپنے خدشات، مشاہدات اور اپنی توقعات سامنے رکھیں گے۔ یہ تین اتحاد جس میں اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کی نمائندگی ہے اور یہ تینوں اتحاد ذرا سے عددی فرق کے ساتھ مشترک جماعتوں پر مشتمل ہیں صرف نام مختلف ہیں

1. ملّی مجلس شرعی
2. ملّی یکجہتی کونسل
3. دفاع واستحکامِ پاکستان کونسل

- دو ماہ قبل امریکہ میں ایک ملعون شخص (بلکہ گروہ) نے توہین رسالت پر مبنی ایک فلم بنائی اور اس کو ریلیز کر دیا۔ پہلے فلم انگریزی میں تھی پھر عربی میں 'ڈب' کیا اور مشرقِ وسطیٰ میں پہنچا دیا

جس پر وہاں شدید ردِّعمل ہوا اور بعدازاں پاکستان میں بھی شدید ترین ردِعمل سامنے آیا۔ اُوپر درج تینوں پلیٹ فارموں (اتحادوں) کی سطح پر اس مسئلے کو اُٹھایا گیا۔

ملی مجلس شرعی کے ایک اجلاس منعقدہ 20 ستمبر 2012ء کے شرکاء کے اسمائے گرامی یہ ہیں:۔ مولانا قاری زوار بہادر، علامہ احمد علی قصوری، مولانا راغب نعیمی، مولانا زاہد الرشدی، مولانا عبدالرؤف فاروقی، مولانا حافظ فضل الرحیم، مولانا حافظ عبدالغفار روپڑی، مولانا مفتی عبیداللہ عفیف، مولانا شفیق پسروری، مولانا شیخ محمد یعقوب، مولانا حافظ عبدالرحمٰن مدنی، مولانا حافظ عاکف سعید، مولانا عبدالمالک، ڈاکٹر فرید احمد پراچہ، علامہ نیاز نقوی، علامہ ڈاکٹر محمد حسین اکبر، علامہ جواد نقوی۔

اس اجلاس میں ایک پانچ نکاتی قرارداد منظور ہوئی جس کا متن یہ ہے:

01. اسلامی جمہوریہ پاکستان کے تمام مسلمان مسلکی، سیاسی اور دینی وابستگیوں سے بالاتر ہوکر اپنے اپنے جماعتی اور گروہی مظاہرے کرنے کی بجائے باہم متحد ہوکر پرامن احتجاج کریں کیونکہ ناموس رسالت پوری اُمت کا متفقہ مسئلہ ہے۔ مظاہرین شہری وقومی اَملاک کو نقصان نہ پہنچائیں۔ زیادہ مستحسن ہے کہ دنیا بھر میں بسنے والے دو اَرب سے زائد مسلمان متحد ہوکر اپنے اپنے ممالک میں ایک ہی دن بھرپور احتجاجی مظاہرہ کریں۔

02. ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ توہین رسالت کے ان مجرموں کو کیفرکردار تک پہنچانے کے لئے سخت قانونی کارروائی عمل میں لائی جائے۔ اگر امریکی قانون اظہارِ رائے کی آزادی کا غلام بن چکا ہے تو مجرموں کو انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس کے حوالے کردیا جائے یا امریکہ انہیں ہماری تفتیشی ایجنسیوں کے حوالے کرے جہاں ان کے خلاف مقدمات درج ہوچکے ہیں۔ پاکستانی عدالتوں کو بھی اس سلسلے میں فعال کردار ادا کرنا چاہیے۔

03. ہم اقوامِ متحدہ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ جنرل اسمبلی کے اجلاس میں توہین انبیاء کے خلاف مذمتی قرارداد منظور کرے اور اس قانون کو عالمی درجہ دلانے کے لئے زیرالتوا قرارداد کو سرد خانے سے نکال کر عالمی ڈیکلریشن یا کنونشن کی منظوری حاصل کرے۔ ہم تمام مسلمان حکمرانوں سے بھی مطالبہ کرتے ہیں کہ اقوامِ متحدہ میں اس قرارداد کی غیرمشروط حمایت کریں اور اسے منظور

کرائیں۔ او آئی سی کو فعال بنالیں اور اس کا فوری اجلاس طلب کریں۔

04. مغرب یہ جنگ میڈیا کی سطح پر لڑ رہا ہے لہٰذا ہم مسلمان پروفیشنلز سے درخواست کرتے ہیں کہ اسلام کے پیغام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت کو مؤثر انداز میں پیش کرنے کے لئے اسلامی اور عصری تقاضوں کے پیش نظر معیاری پروگرام اور فلمیں تیار کریں نیز فیس بک اور یوٹیوب کے مقابلے میں مسلمان سوشل میڈیا کے اپنے مضبوط اور مؤثر ادارے قائم کریں۔

05. مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ قرآن وسنت اور سیرت النبی ﷺ کا گہرا مطالعہ کریں۔ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی اسلامی تعلیمات کے مطابق گزارنے کا عزم کریں نیز وہ سیاسی، معاشی اور دفاعی لحاظ سے خود کو مضبوط بنائیں اور مسلم و اسلام دشمن مغربی فکر وتہذیب کو رد کردیں تاکہ وہ دنیا و آخرت میں کامیاب ہوسکیں۔ (ماہنامہ سوئے حجاز، لاہور، نومبر 2012ء)

ملی یکجہتی کونسل کے بھی اجلاس ہوئے اس میں ایک دو جماعتوں کے نمائندوں کے فرق سے یہی اکابرین ملت شریک ہوئے۔ وہاں بھی کئی فیصلے کئے گئے اجلاس ہوئے اور بالآخر ایک عالمی سطح کا سیمینار منعقد ہوا جس میں غیر ملکی وفود سمیت مقامی حضرات نے بھی شرکت کی۔

دفاع و استحکام پاکستان کونسل نے بھی اس موقع پر اجلاس منعقد کیے اس میں کم وبیش وہی جماعتیں شامل ہیں۔ اس کونسل کے تحت کئی جگہ جلوس نکالے گئے اور عوامی سطح پر مظاہروں کے ذریعے دنیا کے سامنے اپنے جذبات کو رکھا گیا۔

ان اتحادوں میں جو آرا اور مشورے سامنے آئے ان پر آنے والے دنوں میں کم وبیش عمل درآمد بھی ہوگیا۔ حکومت نے ملکی سطح پر یومِ عشق رسول ﷺ منانے کا اعلان کردیا اس دن بھرپور طور پر مسلمانوں نے توہین رسالت کرنے والے کے خلاف اپنے جذبات کا اظہار کیا حتیٰ کہ وزیر اعظم صاحب اور صدر صاحب نے بھی UNO کو اسی سلسلے میں کچھ قانون اور ضابطے بنانے کی تجویز دی۔

ایک تجویز

اُوپر جن اتحادوں کا حوالہ دیا گیا ہے کام اُنھوں نے ایک ہی طرز کا کیا۔ مقاصد بھی ایک ہیں مگر ـــــ طریق کار کے فرق سے تین پلیٹ فارم الگ الگ ہیں۔ اگر یہی کام ایک پلیٹ فارم سے ہوتا تو کہیں زیادہ مؤثر بھی ہوتا اور عالمی سطح پر اس کا وزن (IMPACT) بھی محسوس کیا جاتا۔ کاش کہ ان تینوں اتحادوں کو چلانے والے حضرات اس بات پر بھی غور فرمائیں کہ کسی طرح ان تین ناموں سے فعال دینی اور مذہبی جماعتیں کسی ایک نام اور شناخت کے ساتھ سرگرمِ عمل ہوسکیں۔ تینوں اتحادوں کے ناموں کو جوڑا جائے تو

" شرعی یکجھتی کونسل "

کا خوب صورت نام بن سکتا ہے۔ یہ ایک ایسی آرزو ہے جو ہر دردمند مسلمان کے دل کی آواز ہے اور کچھ عجب نہیں کہ بہت سے دردمند مسلمان اس آرزو کے سہارے زندہ ہوں۔ صرف آرزوؤں سے کام نہیں ہوتا مگر بڑے بڑے اور منصوبے آرزوؤں اور اُمنگوں کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

بقولِ شاعر ؎ یہ آرزو بھی بڑی چیز ہے مگر اے ہمدم!

وصالِ یار فقط آرزو کی بات نہیں

یقیناً اس کے لیے بہت کچھ کرنے کی ضرورت ہے اور سابقہ اِتحادوں اور ان کے لیے کی گئی مساعی کی ناکامی سے سبق سیکھ کر آگے بڑھنے کی ضروت ہے۔ اکابرینِ اُمت کو یوں مشورے دینے کا مقام تو نہیں ہے مگر چند گزارشات ہیں جو پہلے بھی ان صفحات میں پیش کی تھیں اور آئندہ کسی شمارے میں دوبارہ سامنے رکھ دیں گے، ان شاءاللہ۔

انبیاءکرام علیہم السلام پر فلمیں
توہین رسالت کے مترادف

بریلوی، دیوبندی، اہلحدیث مکتبہ فکر کے
جید مفتی صاحبان کے فتاویٰ جات

حضرات انبیاء علیہم السلام کی مبارک زندگیوں اور ان کے واقعات پر مشتمل فلمیں اور ڈرامے تیار کرنا یا ان کی شبیہ تیار کرنا، غیر نبی خصوصاً اداکاروں کو نبی ظاہر کرنا توہین انبیاء ہے جو کفر ہے۔ لہٰذا انبیاء کی فلمیں تیار کرنے والے، ان فلموں میں اداکار نبی ہونے کی ایکٹنگ کرنے والے ایسی توہین آمیز فلموں اور ڈراموں کے تراجم کرنے والے، غیر نبی کو نبی ظاہر کرنے والے یا اس میں کسی بھی قسم کی معاونت کرنے والے توہین انبیاء کے مرتکب ہیں۔ اسی طرح توہین آمیز فلموں کی تشہیر کرنے والے، کیبل، ٹی وی پر چلانے والے اور معلوم ہو جانے کے بعد جائز و ثواب کی نیت سے یا اسلامی معلومات حاصل کرنے کی غرض سے دیکھنے والے یہ تمام کے تمام افراد اگر تو مسلمان ہیں تو توہین انبیاء کے ارتکاب کی وجہ سے دائرۂ اسلام سے خارج ہو گئے اور ان کا نکاح بھی ختم ہو گیا۔ کیونکہ کسی بھی ایسے طریقہ سے علم حاصل کرنا یا علم پھیلانا جس سے توہین انبیاء ہو کفر ہے لہٰذا ان افراد کے لیے شرعاً حکم یہ ہے کہ تجدید نکاح کریں اور اپنے فعل پر ندامت و استغفار کریں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی فلمیں یا ڈرامے تیار کرنے والے یا اس میں کسی قسم کا تعاون کرنے والے فاسق اور گنہگار ہیں۔ ان کے ذمہ شرعاً توبہ و استغفار کرنا اور آئندہ پوری زندگی اس قبیح فعل سے اجتناب ضروری ہے اور ایسی فلموں کا کاروبار کرنا شرعاً حرام ہے۔ حکومت پر لازم ہے کہ ایسی فلموں پر فوراً پابندی عائد کرے اور مجرمین کے لیے کڑی سزائیں نافذ کرے۔

دارالعلوم انجمن نعمانیہ لاہور، مولانا مفتی غلام رسول اشرفی (بریلوی) کا فتویٰ:

جن کے پاس یہ فلمیں ہیں فوراً توڑیں اور جلادیں۔ یہ غیرتِ ایمانی کی دلیل ہے۔ ایسی فلمیں بنانا بنوانا، چلانا چلوانا اور دیکھنا دکھانا، ان کی تشہیر وترویج کرنا گناہ کی اشاعت ہے اور گناہ پر تعاون حرام اور حکم قرآنی ﴿وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ کی کھلی خلاف ورزی ہے۔ لہٰذا ایسی فلمیں بنانے اور بنوانے والے، چلانے اور چلوانے والے، دیکھنے دکھانے والے سب مجرم ہیں۔ حکم شرعی مع دلائل شرعیہ کے آجانے کے بعد ضد وہٹ دھرمی کے ساتھ چلانے والے سخت مجرم اور مستحق اشد سزا ہیں۔ فوراً توبہ کریں اور تجدید نکاح کریں وگرنہ حکومت وقت ایسے مجرموں کو شرعی حدود کی صریح خلاف ورزی پر اپنے تمام اختیارات ووسائل بروئے کار لاکر قرار واقعی سزا دے کر عنداللہ ماجور ہو۔ وگرنہ حکام بالا بھی عنداللہ وعندالشرع مجرم وگناہگار رہوں گے۔

جامعہ ضیاء شمس الاسلام سیال شریف، مفتی مظہر اللہ سیالوی (بریلوی) کا فتویٰ:

جو آدمی ان کو شائع کرتا ہے یا ان کا معاون کسی واسطہ سے بنتا ہے وہ کافر ومرتد ہے ایسے شخص پر توبہ تجدید ایمان تجدید نکاح ضروری ہے۔ اولین حق حکومت کا ہے کہ ایسی فلمیں شائع کرنے والوں کے خلاف کاروائی کرے۔ دوسرا حق علماء مشائخ کا ہے کہ اس کے خلاف آواز اُٹھائیں اور عوام الناس کو شعور دلائیں کہ ایسی فلمیں دیکھنے سے کلی طور پر اجتناب کریں۔

جامعہ اشرفیہ لاہور (دیوبندی) کا فتویٰ:

ایسی فلموں کو (جو توہین نبی پر مشتمل ہوں) جائز وثواب سمجھ کر دیکھنے والے، ان کی تشہیر کرنے والے اور کیبل پر چلانے والے مسلمان بھی دائرہ اسلام سے خارج ہوکر کافر ومرتد ہوچکے ان کے ذمہ بھی تجدید ایمان وتجدید نکاح توبہ واستغفار کرتے ہوئے فرض ہے۔ اور صحابی والی فلموں کی نمائش کرنے والے اور دیکھنے والے ان کو چلانے والے بوجہ توہین صحابی کے سخت گناہ کے مرتکب ہونے کے وجہ سے فاسق ہوگئے۔ ان کے ذمہ توبہ واستغفار اور آئندہ احتیاط لازم ہے۔ ان فلموں کا کاروبار، خرید وفروخت حرام بلکہ اشد حرام ہے۔ ان کے ذمہ بھی توبہ واستغفار بلکہ احتیاطاً تجدید ایمان وتجدید نکاح بھی ہے۔

جامعہ حقانیہ مفتی عبدالقدوس ترمذی (دیوبندی) کا فتویٰ:

ایسی فلموں میں چونکہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی گستاخی اور توہین کا پہلو نمایاں ہے اس لئے اگر یہ سب کچھ معلوم ہونے کے باوجود بھی کوئی شخص اس طرح کی فلم بناتا ہے یا چلاتا، دیکھتا اور دکھاتا ہے تو ایسے شخص پر توبہ کے ساتھ ایمان و نکاح کی تجدید بھی ضروری ہے۔ ان فلموں میں کام کرنے والوں کا بھی یہی حکم ہے۔ اگر وہ اپنی اس حرکت سے باز نہ آئیں تو حکومت اسلامیہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے شخص کو سخت سزا دے اور اس گناہ کے کام پر فوراً پابندی لگائے۔

مفتی عبدالمعید، خطیب محکمہ اوقاف پنجاب کا فتویٰ:

ان فلموں کو عام کرنا دوسرے لفظوں میں مسلمانوں کے ایمان کو سلب کرنے والی فلموں کو عام کرنے کے مترادف ہے اس لئے ایسا گھناؤنا خوفناک کفریہ کاروبار کرنے کی از روئے شرع کسی صورت بھی اجازت نہیں اس کی خرید و فروخت حرام بلکہ اشد حرام قطعی ہے مذکورہ کاروبار کرنا ایمان پر ایسا ڈاکہ ڈالنا ہے کہ جو فلم جس میں توہین نبی ہو اس کو دیکھنے والا جائز سمجھے یا ثواب کی غرض سے دیکھے یا ان کی تشہیر کرے فوراً دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور جن فلموں میں صحابہ کی توہین ہے ان کو دیکھنے اور تشہیر کرنے سے فاسق فاجر ہو جاتا ہے جس کا فوری سدباب کرنا ہم مسلمانوں پر لازم ہے۔

جماعۃ الدعوۃ پاکستان، مفتی مبشر احمد ربانی (اہلحدیث) کا فتویٰ:

یہ فلمیں بنانے والے، ان کے ساتھ خریداری اور بنانے میں تعاون کرنے والے اور ان کی تشہیر و ترویج کرنے والے سب مجرم ہیں اور حکومت وقت ان کو شرعی حدود لگا کر اس جرم کی سزا دے ورنہ عنداللہ حکومت بھی ان کے ساتھ مجرم ہوگی۔ واللہ اعلم

جامعہ قادسیہ لاہور، مفتی عبدالرحمٰن (اہلحدیث) کا فتویٰ:

ایسی فلموں کی نشر و اشاعت کرنے والے اور ان کو دیکھنے والے سب مجرم، گناہگار اور حرام کے مرتکب ہیں کیونکہ ان کا پھیلانا اور دیکھنا اس جرم کے کرنے والوں کے ساتھ کھلا تعاون ہے۔

حافظ عاکف سعید، امیر تنظیم اسلامی:

جو ادارے انبیاء کی ان فلموں کی نمائش کرتے ہیں، وہ فساق و فجار کے حکم میں داخل ہیں اگر وہ جہالت اور نادانی میں یہ کام کر رہے ہیں۔ اور اگر جانتے بوجھتے کر رہے ہیں تو توہین انبیاء اور ارتداد کے حکم میں ہیں توبہ کا موقع دیا جائے۔ اگر توبہ تائب ہو جائیں تو فبہا، ورنہ اسلامی حکومت انہیں قتل کرنے کا حکم صادر کر سکتی ہے۔

حضرت مولانا محبّ اللہ صاحب نقشبندی مجددی لورالائی والے:

ان فلموں میں حصہ لینے والے لوگوں کے لئے ایمان سے نکلنے کا بہت خطرہ ہے کیونکہ غیر نبی کو نبی کا یقین کرنا یا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی توہین کرنا کفر ہے۔ لہٰذا ان لوگوں کو اس کام سے توبہ کرنے کے ساتھ ساتھ ردِ کفر کا کلمہ بھی پڑھنا چاہیے۔ اگر بعض لوگ ضد میں آ کر انبیاء علیہم السلام کی فلموں کا دیکھنا اور چلانا نہیں چھوڑتے اور حکومت بھی اُس کو بند نہیں کرواتی اور لوگ بھی قدرت رکھنے کے باوجود ان فلموں کو بند نہیں کرواتے تو موت سے پہلے ان پر عذاب آنے کا سخت ڈر ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ اگر کوئی شخص ان فلموں کے بارے میں باز نہیں آتا تو اس کو توہین رسالت کے مقدمہ میں پکڑنا چاہیے۔ یہ ایمان کا مسئلہ ہے۔ اگر کوئی آدمی ہمارے ماں باپ پر فلم بنائے تو ہم اس کو برداشت نہیں کریں گے چہ جائیکہ توہین رسالت، توہین اسلام اور توہین کلام اللہ پر فلمیں بنائی جائیں۔ یہ کتنی حیرت کی بات ہے کہ مقدس حضرات علیہم الصلوٰۃ والسلام جو خوبصورت اور خوب سیرت حضرات ہیں ان کو اُس منحوس شکل سے دکھانا یا دیکھنا، یہ انبیاء علیہم السلام اور مقدس حضرات کی توہین اور اسلام کا مذاق اُڑانا اور مسلمانوں کی دل آزاری نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ اگر اس پر بھی ہم مسلمانوں کی ایمانی غیرت جوش میں نہیں آتی تو پھر کب آئے گی؟

رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کا متفقہ فتویٰ:

مکہ مکرمہ کے دارالافتاء سے بھی متفقہ فیصلہ آ چکا ہے جس میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین پر فلم بنانے کو متفقہ طور پر حرام قرار دیا گیا ہے۔

(مجموعہ فتاویٰ ومقالات متنوعہ لابن باز رحمتہ اللہ علیہ، من المجلد الاوّل صفحہ 413)

یورپ پر اسلام کے احسانات

انجینئر مختار فاروقی

01۔ آج کا یورپ اور امریکہ مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگ میں مصروف ہیں۔ کہتے ہیں جنگ اور محبت میں سب کچھ جائز ہے ہر طریقہ اور ہر ہتھکنڈا استعمال کر لینا ہی مصلحت ہوتا ہے۔ یہ اُصول اخلاقی طور پر کہاں تک روا ہے اس پر تو الگ بحث کی بہت گنجائش ہے مگر آج نیٹو ممالک اور مسیحی مغرب مسلمانوں کے خلاف جس جنگ میں مصروف ہیں اس میں ان ممالک کے کارپردازان اور لیڈران محکوم اور غیر ترقی یافتہ قوموں (بالخصوص مسلمانوں) کے معاملے میں ہر نوع کی بے اُصولی، وعدہ خلافی، کذب بیانی اور معاہدوں کی خلاف ورزی روا رکھے ہوئے ہیں۔

02۔ حالانکہ دنیا جانتی ہے اور تاریخ گواہ ہے کہ مغرب کی حالیہ صنعتی اور سائنسی ترقی اُندلس میں مسلم اقتدار کی مرہونِ منّت ہے۔ طارق بن زیاد کے بابرکت ہاتھوں سے سرزمینِ یورپ میں 711ء میں جس مسلم سلطنت اور بنواُمیّہ کے اقتدار کی داغ بیل پڑی تھی وہ آٹھ صدیوں پورے یورپ کو فائدہ پہنچاتا رہا۔ یہ اُندلس جس کا نام یورپ نے 1492ء میں سقوطِ غرناطہ کے بعد بدل کر ہسپانیہ اور بعد میں سپین کر دیا تاکہ مسلم نوجوان اپنے ہاں جب طارق بن زیاد کے بارے میں پڑھے گا کہ وہ 711ء (93ھ) میں جبرالٹر (جبل الطارق) کے راستے یورپ کی سرزمین میں داخل ہوا تھا اور وہاں اُندلس میں مسلمان 800 سال حکمران رہے تو بے چارے کو نقشے میں کہیں اُندلس ملک نظر ہی نہیں آئے گا اور اپنے ہی اسلاف کی غلطیاں نکالے گا اور انہیں بُرا بھلا کہے گا۔

03۔ مسیحی یورپ اور آج کے مغرب کا یہی احسان ناشناسی کا رویّہ ہے جو اس تحریر کا باعث بنا ہے کہ ہم مسلمان نوجوانوں کو باور کرانا ضروری سمجھتے ہیں کہ صرف غیر مسلموں کی تصنیف کردہ تاریخ پڑھ کر وہ حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے تاریخ کو مسلمانوں کے نقطہ نظر اور اسلامی اقدار کی عینک لگا کر بھی دیکھنے کی ضرورت ہے۔ سپین میں مسلم اقتدار کے دوران یورپ کی حالت کیا تھی اور مسلمانوں سے علمی، فنی، سائنسی اور تہذیبی روایات پا کر جس علم کو یورپ نے آگے بڑھایا اس میں پہلے والے لوگوں کا ذکر نہ کرنا ہی مسلم دشمنی اور صلیبی ذہن کا پتہ دیتا ہے۔ آج کا یورپ اور امریکہ مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگ کے جواز کا ڈھنڈورا پیٹ رہا ہے اور میڈیا رات دن اسی میں مصروف ہے (کہ اس کو ''اُجرت'' اسی چیز کی ملتی ہے) اس کی حقیقت یہی مسلم دشمنی کی سوچ ہے جس کی وجہ آج تک معلوم نہیں ہو سکی۔

04۔ اس تمہیدی گفتگو میں بھی ایک حوالہ دیے بغیر آگے بڑھنے کو دل نہیں کر رہا اور قلم آگے بڑھنے سے گریز کر رہا ہے۔ یہ حوالہ گزشتہ صدی کے عظیم مفکّر اور فلسفی برطانوی نژاد عالمی شہرت یافتہ انسان برٹرینڈ رسل (1872ء_1970ء) کا ہے۔ اس نے اپنے عمر کے آخری حصے میں زندگی بھر کے تجربات کا حاصل "RE AWAKENING OF THE EAST" کے نام سے تحریر میں کیا تھا، جو 1950ء کے لگ بھگ منظر عام پر آئی۔ اس میں اس نے سپین میں مسلم اقتدار (711ء-1493ء) کے عروج کے دوران مسلم سائنسی فنّی، صنعتی اور تہذیبی ترقی کا ذکر کیا ہے جبکہ اس دور میں اور اس کے عرصے بعد تک کا یورپ (خود یورپی اہل علم، اہل قلم اور موٴرّخین کے نزدیک) 'دورِ جہالت' (DARK AGES) میں تھا اور یہ دورِ جہالت تقریباً 1000 سال پر پھیلا ہوا ہے جبکہ اس دور میں مسلم اقتدار میں علم، ترقی، ہنرمندی، سائنس، صنعت، تجارت، تہذیب، اقدار، اخلاق اور صلح و جنگ کے اُصول وضوابط غرض ہر شعبہ زندگی نصف النہار پر تھا۔ برٹرینڈ رسل لکھتا ہے:

> The supermacy of the East was not only military, science, philosophy, poetry and the arts, all flourished in China and the Muhamadan world at a time when Europe was sunk in barbarism.

Europeans, with unpardonable insularity, call this period "Dark Ages"; but it was only in Europe that was in dark ---- indeed only in Christian Europe for Spain, which was Muhammadan,had a brilliant culture.

’’..................مشرق کی یہ برتری نہ صرف عسکری، سائنس، فلسفہ، شاعری اور فنون لطیفہ میں تھی جس نے چین اور مسلم دنیا میں بے انتہا ترقی کی، جبکہ اس وقت یورپ جہالت میں ڈوبا ہوا تھا۔ اہل یورپ اپنی اس ہتک پر کوئی خفت محسوس نہیں کرتے اور اس عرصہ کو ’’دورِ جہالت‘‘(DARK AGES) کا نام دیتے ہیں، لیکن یہ جہالت صرف یورپ بلکہ درحقیقت صرف مسیحی یورپ کا مقدر تھی جبکہ سپین جو مسلم (روایات کا امین) تھا وہ تہذیبی لحاظ سے چمکتا سورج تھا۔‘‘

برٹرینڈ رسل خود تسلیم کر رہا ہے کہ یورپ کے اندر ہی مسیحی یورپ کے دورِ جہالت میں مسلم سپین میں روشنی ہی روشنی اور علم ہی علم تھا جبکہ سپین عظیم عالمی مسلم سلطنت کا ایک حصہ تھا اور آٹھویں صدی عیسوی سے لے کر پندرہویں صدی کے مسلم اقتدار کا اصل مرکز بغداد تھا جو دنیا بھر میں تجارتی، صنعتی، کاروباری اور تہذیبی مرکز بھی تھا اور علمی اور سائنسی روشنی کا مینار بھی۔

05۔ افسوس کہ مغرب کے چند اہل قلم اور اہل علم کے علاوہ بالعموم اس حقیقت کو بیان نہیں کرتے، جس سے یورپ میں عام طور پر اور اس کے زیر اثر دنیا بھر میں یہی ذہن پایا جاتا ہے کہ شاید یورپ کے لیے صنعتی اور سائنسی میدان میں ترقی کا دروازہ یک لخت آسمان پھٹنے سے کھل گیا۔ حالانکہ ہم سب جانتے ہیں کہ یہ تجرباتی علوم ہیں اور اس ACQUIRED KNOWLEDGE کے لئے پہلی نسلوں کے کام اور سابقہ تجربات کی روشنی میں ہی آگے بڑھا جا سکتا ہے۔ مگر صد افسوس ہے یورپ کے فرزندانِ علم پر کہ وہ اپنے محسنوں کا ذکر کرنا بھی گوارہ نہیں کرتے بلکہ ان سے اپنے ذہن میں بٹھائے ہوئے ایک موہوم اور فرضی ’جرم‘ کا بدلہ لینا ضروری سمجھتے ہیں، جو آج صلیبی جنگ کی صورت میں مسلمانوں سے لیا جا رہا ہے۔

06۔ تجرباتی علوم کی ترقی کا تسلسل

ساری صنعتی اور سائنسی ترقی تجرباتی علوم ـــــ یعنی وہ علوم جو انسان نے تجربات سے سیکھے ہیں، کی مرہونِ منّت ہے اور یہ علوم انسانیت کی مشترکہ متاع ہیں۔ اس میں ساری دنیا کے انسان شامل ہیں اور تمام انسانوں کا ان علوم سے استفادہ کا بھی برابر کا حق ہے۔ کوئی قوم، ملک اور علاقہ صرف اپنے ہی تجربات کی بنیاد پر زیادہ دیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ البتہ پہلے زمانے میں مشرق و مغرب میں اتّصال اور رابطے کا فقدان تھا فاصلے زیادہ تھے ذرائع مواصلات کی کمی تھی لہٰذا ایک علاقہ کے لوگ ترقی کرتے تھے تو ان کی ترقی سے دور کے لوگ صدیوں نابلد اور 'غیر مطلع' رہتے تھے۔

تاہم ایک ہی علاقہ کے لوگ ضرور پہلے لوگوں کی تجربات سے بلا لحاظ مذہب و ملت فائدہ اُٹھاتے رہے۔ افسوس کہ اس ضمن میں یونانی علم وفلسفہ، سائنس اور فنون کی ترقی کا تو خوب ڈھنڈورا پیٹا اور اس کو سر آنکھوں پر رکھا جاتا ہے مگر یونانیوں کے بعد علمی سائنسی اور صنعتی لحاظ سے عروج کا وہ دور جو مسلم اقتدار میں آیا اور تمام متمدّن دنیا پر پھیل گیا اور آٹھ صدیاں جاری بھی رہا اس کا تذکرہ واضح طور پر نہیں کرتے۔ اس ترقی سے استفادہ کرتے ہیں مگر ایسے جیسے یہ ساری ترقی اُنہوں نے ہی حاصل کی تھی۔

اکثر جدید مؤرخین تاریخی تسلسل میں یونانی فلسفہ اور سائنسی ترقی کے تذکرہ کے بعد براہ راست پندرھویں صدی میں یورپ کی ترقی کا تذکرہ شروع کردیتے ہیں اور درمیان میں دورِ جہالت (DARK AGES) کا تذکرہ کرتے ہیں گویا قاری کو یہ تاثر دیتے ہیں کہ درمیان میں جو لوگ کہتے ہیں یا مسلمان اپنے اقتدار کا تذکرہ کرتے ہیں تو وہ صرف مذہبی دور، مابعد الطبعیاتی مناقشات، موت کے بعد کی زندگی کی بحثیں اور فلسفیانہ موشگافیاں ہی تھیں جس کا سائنسی ارتقا اور سائنسی طرزِ فکر اور مادّی ترقی سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ حالانکہ یونانی تجرباتی علوم کو مسلمانوں نے ہی زمین سے اُٹھا کر آسمان تک پہنچادیا۔ آگے اس کا تفصیلی تذکرہ آئے گا۔ تاہم مسلم اقتدار کے آٹھ سو سالوں کا سرے سے تذکرہ ہی نہ کرنا اور ان کے تجربات کو استعمال میں لاکر استفادہ تو کرنا ـــــ مگر اُن کا کریڈٹ (CREDIT) بھی اپنے کھاتے میں ڈال لینا یہ کارنامہ یورپ والوں ہی نے کر دکھایا ہے کوئی اور قوم ایسی حماقت نہیں کرسکتی۔

07۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ان صفحات میں اس موضوع پر کئی اقساط میں تفصیل سے گفتگو ہوگی جو نوجوان قارئین کے لئے خود اعتمادی پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ مغرب کی موجودہ چکا چوند ترقی کے پیچھے مسلمانوں کے خونِ جگر کا جو حصہ شامل ہے اس کو آشکارا کرے گی۔ بقولِ علامہ اقبال

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبر بھی کیا تو نے؟ وہ کیا گردوں تھا، تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا؟
حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ اک عارضی شے تھی نہیں دنیا کے آئینِ مسلّم سے کوئی چارا
مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آبا کی جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا

اس گفتگو سے اُمید ہے کہ مسلمان نوجوانوں کے دلوں میں اپنی عظمت رفتہ کا احساس بھی اُجاگر ہوگا اور اس کی بازیافت کے لئے اس کے شایانِ شان جدوجہد کرنے کا جذبہ بھی پیدا ہوگا۔

08۔ آئندہ صفحات میں آنے والی یہ گفتگو درج ذیل عنوانات کے تحت ہوگی:

(1) یونانی فلاسفہ اور سائنسدانوں کا دور ____ اور کامیابیاں

(2) مسلم دورِ اقتدار ساتویں صدی عیسوی سے پندرہویں صدی عیسوی تک

(ا) مشرقِ وسطیٰ (ب) اندلس (سپین)

(3) اندلس میں مسلم اقتدار اور یورپ (4) مسیحی یورپ کی اسلام دشمنی اور علم دشمنی

(5) مغرب کا حالیہ عروج اور زوال (6) مشرق دوبارہ اُبھرے گا

یہ بات یقینی ہے کہ اس کام کا ارادہ ہمارا ہے اور اللہ تعالیٰ کی توفیق و تائید ہی سے پایۂ تکمیل کو پہنچ سکے گا۔ اللھم یسرلنا امورنا وتمم لنا بالخیر

---

1 یونانی فلاسفہ اور سائنسدانوں کا دور

____ اور کامیابیاں

حضرت محمد ﷺ (571ء-632ء) کی آمد سے مسلمانوں کی تاریخ شروع ہوتی ہے۔ یورپ پر اسلام کے احسانات پر گفتگو سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ 600 عیسوی سے پہلے کے مشرقِ وسطیٰ، عرب اور یورپ کے حلات کا تذکرہ کر دیا جائے۔ یونان یورپ کے جنوب مشرقی حصے میں بحیرۂ روم میں واقع ہے۔ بحری راستے سے مشرق وسطیٰ کے ممالک اور شمالی افریقہ کے ممالک مصر، لیبیا، الجزائر وغیرہ سے براہِ راست متعلق ہے۔

یورپ یونانی فلاسفہ کے دور میں (600ق م سے 600ء تک)

یوں تو دنیا میں یونان کے علاوہ ہند، چین اور ایران بھی فلسفہ کے مراکز سمجھے جاتے ہیں مگر کئی داخلی اور خارجی وجوہات کی وجہ سے یونان کے فلاسفہ نے گزشتہ پچیس صدیوں سے دنیا بھر کے ذہین افراد کو متاثر کیا ہے۔اس میں اگر استثناء ہے تو وہ صرف ایک کہ اس دور میں آسمانی ہدایت اور وحی کا سلسلہ جاری تھا وہ شخصیات جو اس آسمانی وحی کا مہبط تھیں یعنی انبیاء کرام علیہم السلام یا جو ان کے زیراثر مخلص لوگ تھے وہ اس فلسفیانہ یلغار سے نہ صرف خود بچ گئے بلکہ حتی المقدور اس پر جرح و نقد کر کے اس کا ابطال بھی کرتے رہے تا کہ دوسروں کو بھی بچا سکیں۔

یہ حقیقت تسلیم کرنی چاہیے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات سے اپنے آپ کو باندھ لینے والے افراد کے علاوہ دنیا کا کوئی عاقل بالغ شخص ایسا نہیں ہے جو ان فلسفیانہ نظریات کے اثرات سے جلد یا بدیر بالواسطہ یا بلاواسطہ متاثر نہ ہوا ہو۔

یونانی فلاسفہ کو کئی اعتبارات سے سازگار ماحول میسر آ گیا اور یوں اپنی استدلالی قوت کے ساتھ ساتھ خارجی حالات میں مختلف عوامل نے ان نظریات کو دوام بخش دیا۔اس مضمون کی مناسبت سے یہ عوامل چونکہ بہت اہم ہیں لہٰذا اس پر قدرے تفصیل سے گفتگو ضروری ہے۔

(ا) یونانی نظریات کے فروغ میں خارجی عوامل

یونان کے لوگ کون تھے؟

(1) یونان جغرافیائی لحاظ سے یورپ کا جنوب مشرقی حصہ ہے۔مشرق وسطیٰ اور ایران کے شمال میں بحیرۂ کیسپین اور بحر اسود واقع ہے ان کے درمیان پہاڑی علاقہ ہے اور نہایت دشوار گزار ہے اس سے شمال کی طرف روس ہے جس کا 80 فیصد آج بھی برفانی اور نہایت سرد علاقوں پر مشتمل ہے اور یہاں آبادی بھی کم اور بکھری ہوئی ہے یہ علاقہ رقبہ میں امریکہ سے بھی بڑا ہے۔قریب منگولیا اور چین ہے۔اسی سائبیریا سے غیر متمدن اور وحشی قبائل نکل کر ایک تسلسل کے ساتھ دو چار صدیوں کے وقفے سے ماسکو سے مغرب کی طرف یا جنوب کی طرف حملہ آور ہوتے رہے ہیں 600ق م کے قریب جب سدّ ذوالقرنین کے ذریعے بحیرۂ کیسپین والا راستہ محدود ہو گیا تو اس

کے بعد سائبیریا سے اُٹھنے والی اقوام نے مغرب کا رُخ کیا ہے قریب اور دور جہاں جگہ ملی سکونت اختیار کرلی۔انہیں میں ایک حصہ یونان میں بھی آباد ہوا اور سیتھین قبائل کہلاتے ہیں۔

(2) **سیتھین قبائل کے نظریات:** سائبیریا سے اُٹھ کر آنے والے تمام فاتحین اور لیٹرے (INVADORS) عقائد اور اخلاق کے اعتبار سے کسی آسمانی ہدایت سے نابلد اور جانوروں کے زیادہ قریب تھے۔ بھارت میں آریہ اور یورپ میں آنے والے یہ قبائل ایک ہی ذہن کے ہیں۔مشرقِ وسطیٰ میں انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات علم،تہذیب،فنون اور اخلاق کے سرچشمے تھے۔ یونان کے یہ لوگ کسی آسمانی ہدایت سے پہلے بھی محروم تھے اور یہاں آکر آباد ہونے پر بھی بدقسمتی سے محروم ہی رہے۔

(3) مشرقِ وسطیٰ میں بنی اسرائیل کا عروج کے بعد زوال

یونان کے لوگوں کو مشرقی وسطیٰ میں علم و آگہی کے سرچشموں سے رابطہ اس وقت ہوا جب حضرت ابراہیم d کی اولاد کا ایک حصہ بنی اسرائیل اپنا ایک دورِ عروج (حضرت داؤد اور سلیمان e یعنی 1000 ق م سے 500 ق م تک کا دور) گزار کر دورِ زوال میں آچکا تھا اور ان کے ایک خاصے بڑے طبقے میں اللہ تعالیٰ اور آسمانی ہدایت سے بغاوت کے نظریات فروغ پذیر تھے۔ چنانچہ اس دور میں آنے والے انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی وہ قتل کر دیتے تھے۔ یہ سلسلہ حضرت مسیح d تک چلتا رہا۔لہٰذا یہ دورِ نامسعود جس میں بنی اسرائیل مشرقِ وسطیٰ میں موجود تھے اور سابقہ عروج کے زیر اثر عالمی تجارت میں بھی..................لہٰذا بہت موثر قوت تھے۔

پھر چھٹی صدی قبل مسیح میں بخت نصر (عراق) نے حملہ کے بعد بیت المقدس فتح کر کے پامال کیا اور بنی اسرائیل کو وہاں سے نکال بھی دیا اور خاصی تعداد کو قیدی بنالیا۔

یہ خارجی ماحول ہے جو یونان کی اُٹھان کا دور ہے اور بنی اسرائیل سے ان کے روابط ہوئے۔ بنی اسرائیل اپنی تمام تر نااہلیوں کے باوجود عالمی تجارت میں دخیل تھے اور آسمانی وحی کے علمبردار اور قائل ہونے کی بنا پر اہل کتاب کہلاتے تھے لہٰذا ان کی علمی برتری کا سکّہ جما ہوا تھا اگرچہ آسمانی ہدایت کے مبلغ نہیں تھے۔

(4) یونانی نظریات کا فروغ اور سائنسی ترقی

یونان کی ان سیتھین اقوام کی خداداد صلاحیتیں اپنی جگہ مسلم، مگر ان کو سکون کے ماحول میں سوچنے سمجھنے کی فرصت ملی تو ابتداءً مشرقِ وسطیٰ کے ماحول میں نیکی بدی کی تمیز، اخلاق، کائنات کے خالق مالک، کے تصورات سے ہے متاثر تھے لیکن افسوس کہ جب آسمانی ہدایت کے علمبردار خود آسمانی وحی کے راستے کی رکاوٹ بن گئے اور انبیاء کرام علیہم السلام کا قتل ہونے لگا تو یونان کے فلاسفہ بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر بھی نہ رہ سکے۔

یہ دورِ علوم نبوت کے اعتبار سے بھی تاریخ انسانی میں تعمیری اور فکری عروج کی طرف بڑھنے کا دور ہے انبیاء کرام علیہم السلام کے قتل سے جو مصنوعی خلا پیدا ہوا تو ـــــ نسل انسانی کی ناگزیر ضرورت کہ اب اسے زندگی گزارنے کے لئے ہدایت و رہنمائی درکار ہے ایک سوالیہ نشان بن گئی ـــــ ضرورت موجود ہے بلکہ شدید خواہش ہے مگر اس کی تسکین کا سامان نہیں ہے۔

یونان کے فلاسفہ نے اس ماحول میں بنی اسرائیل کے اخلاقی زوال کو دیکھتے ہوئے ـــــ آسمانی ہدایت سے مبرا اور آزاد سیکولر انداز میں سوچ کے انداز اپنائے اور تاریخ میں پہلی مرتبہ یہ خیالات مرتب ہوئے اور فروغ بھی پا گئے۔

انسان میں خیر وشر کی قوتیں ہیں اور شر کی خارجی قوت شیطان کے زیر اثر ہر انسان میں زیادہ یا کم شر (EROTICISM) ہے اور وہ اپنا اظہار بھی چاہتا ہے اور موقع ملے تو اس کا ظہور بھی ہوتا ہے۔ تاہم خالق کائنات نے اس 'شر' پر قابو پانے کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام بھیجے اور آسمانی وحی کا سلسلہ جاری فرمایا۔ نیز 'ضمیر انسانی' میں نیکی بدی کے معاملات وویعت کیے اور الٰہ کی بندگی اور پرستش کا جذبہ ودیعت کیا مگر انبیاء کرام علیہم السلام کے قتل اور آسمانی وحی کے حاملین اور علمبردار گروہ بنی اسرائیل کے بگڑ جانے اور یوں خود اللہ اور اس کے انبیاء علیہم السلام کے دشمنوں میں شامل ہوجانے کی وجہ سے وہ خود شر کا نمائندہ بن کر حزب الشیطان کا روپ دھار گئے۔

ان حالات میں بنی اسرائیل سے جو نظریات پھوٹ سکتے تھے وہ 'خیر' کی بجائے 'شر' بلکہ 'شرِ محض' ہی کے تھے۔

یونان کے فلاسفہ کے فکری عروج کا یہی دور ہے اور افلاطون سے ارسطو تک کا دور یہی

ہے جب ان ابلیسی افکار کا فروغ ہوا اور جن بنی اسرائیل کو ان کے خلاف سینہ سپر ہونا چاہیے تھا وہ خود بھی اسی راہ پر پہلے ہی چل رہے تھے لہٰذا بالواسطہ اور بلاواسطہ دونوں طرح یونان کے فلاسفہ کو بنی اسرائیل کی ہر طرح کی تائید حاصل رہی۔

تاریخ میں پہلے ابلیسی نظریات پنپنے تھے، سر اُٹھاتے تھے تو جلد ہی کسی نبی کا ظہور ہو جاتا تھا اور ان نظریات کا ابطال کر دیا جاتا تھا اور نیکی کی قوتیں از سر نو منظم ہو جاتی تھیں۔ مگر بنی اسرائیل کی قتل انبیاء علیہم السلام کی روش سے حضرت عیسیٰ d تک چھ صدیاں یہ 'خلا' پھیلتے پھیلتے بہت وسیع ہو گیا اور یونانی فلاسفہ کے ابلیسی نظریات کو بہت زیادہ فروغ مل گیا۔

(ب) یونانی اقتدار کا استحکام ____ اور عظیم عالمی فاتح سکندر

یونان میں حکومت کے استحکام سے ان ابلیسی نظریات کو بھی مستحکم اور راسخ ہونے کے بعد پھیلنے کا موقع مل گیا اور بنی اسرائیل کی نالائقیوں کی وجہ سے دنیا میں 'بے دینی' اور خدا بیزاری، دین بیزاری، وحی بیزاری ایک فکر اور فلسفہ کا روپ دھار گیا۔

اقتدار اور سیاسی استحکام کے دور میں سائنسی فروغ بھی ہوا اور بجا طور پر سائنسی ایجادات میں نمایاں پیش رفت ہوئی اور تاریخی طور پر انسان نے پہلی مرتبہ فکری بلوغ میں قدم رکھا یہ سائنسی ایجادات علم ہندسہ کی ترقی، طبعیات اور کیمیا گری کے ساتھ علاج معالجہ (MEDICINE) کے علم اپنے ماحول کے اعتبار سے چین، بھارت، ایران سے آگے نکل گئے آج بھی یونانی طریقہ علاج دنیا کے وسیع علاقے میں زندہ ہے۔ بھارت کا اسی دور کا علاج معالجہ کا علم آریو دیدک طریقہ بھارت سے نکل کر یونان نہ جا سکا۔ مگر یونان کے علوم بھارت تک آ گئے۔ تاہم یہ علوم آسمانی وحی اور ہدایت سے محرومی کی وجہ سے بانجھ ہی رہے اپنے دور کے انسان کو بھی بت پرستی اور شرک سے اوپر نہ اُٹھا سکے بلکہ اپنے زیر اثر وسیع علاقوں کو بے حیائی اور حیوانیت میں دھکیل گئے۔ اسی یونانی عظمت کے دور میں عروج کا زمانہ اسکندر (356-323 ق م) کا دور ہے ارسطو اس کا استاد (TUTOR) تھا مگر ارسطو خود انسانی اخلاق عالیہ شرم و حیا سے عاری انسان تھا اس کے زیر اثر جو یونانی تہذیب اور کلچر پروان چڑھا اس کے بعض نشانات آج بھی یونان میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

کسی قوم کے نظریات کا عوامی سطح پر ظہور اس قوم کے دورِ عروج میں فن تعمیرات سے

ظاہر ہوتا ہے جب اس تہذیب کو اُٹھانے والے حکمران شاہراہیں، چوک، چوراہے، محلات اور یادگاریں تعمیر کرتے ہیں۔ انہی نظریات کا پرتو ہر آسودہ حال انسان کے گھر میں سجائی جانے والی چیزوں سے ہوتا ہے۔ یونانی تہذیب (ہند کی تہذیب چینی اور ایرانی تہذیب بھی) بت پرستی میں پڑ گئی اور حیوانیت کا شکار ہوگئی۔ پہلے عبادت کے لئے مندروں میں بے لباس بت سجائے گئے جو چوکوں، چوراہوں اور اپنی تعمیرات میں عریاں بت سازی کا اظہار کرنے لگے۔ اسکندر کے دنیا فتح کرنے کے ارادے سے یہ تہذیب یونان سے نکل کر ایران ترکستان افغانستان موجودہ پاکستان اور عراق تک پھیل گئی۔ مگر دیرپا ثابت نہ ہوسکی۔ ہمارے علاقے میں اسکندر دریائے سندھ عبور کر کے دریائے چناب تک آیا تھا اور یہیں سے واپس براستہ ملتان بلوچستان عراق پہنچا جہاں ملیریا سے انتقال کر گیا۔ ارسطو اس مہم میں اس کا رہنما اور اس کے ساتھ تھا۔

(ج) یونانی سائنسی ترقی سے خدا بیزاری اور وحی دشمنی کے نظریات کو تقویت ملی

ہر دور کی سائنسی ترقی فی نفسہٖ ایک منہ زور قوت کا درجہ رکھتی ہے اس قوت کو اچھے یا برے جس مقصد کے لئے چاہو استعمال کرلو۔ یہ قوت نیکی کے لئے بھی استعمال ہوسکتی ہے اور بدی، حیوانیت اور ابلیسیت کے فروغ کے لئے بھی استعمال ہوسکتی ہے۔ اس قوم کے جو بھی نظریات ہوں گے قوانین فطرت کی تسخیر اور کائناتی نادیدہ قوتوں اور طاقت کی دریافتوں سے ایک طاقت میسر آئے گی اور اس طرح دوسری ہم عصر اقوام پر غلبہ حاصل ہوگا تو غالب قوم یا اقوام کے نظریات کو استحکام ہوگا۔ مقام افسوس ہے کہ یونان کی ساری سائنسی ترقی یونانی مشرکانہ، بے حیا، بے اخلاق، حیوانی، ابلیسی نظریات کے فروغ کے لئے ہی کام آئی۔ یہ نظریات انسان دشمن اخلاق دشمن، خدا بیزار اور وحی آسمانی کی دشمنی اور کاٹ پر ہی مبنی تھے۔ اسی لیے انسان نے ایسے نظریات کو جو اس کی حیوانی تقاضوں کو تسکین دیں لمبے عرصے تک سینے سے لگائے رکھا اور یونانی سائنسی ترقی کا عرصہ دراز ہوتا چلا گیا۔

یونانی علوم کا فروغ ____ اور یورپ

یونان کا علاقہ یورپ ہی کا جنوب مشرقی حصہ ہے یونانی علوم کو فروغ حاصل ہوا تو یہ علوم زمینی راستے سے یورپ کی طرح نہیں پھیلے اس لئے کہ اس وقت تک یورپ میں تہذیب وتمدّن نام

کی کوئی شئے تھی ہی نہیں۔ سائبیریا سے اُٹھنے والے وحشی یا نیم وحشی قبائل پہلے قریبی علاقے ایران آجاتے تھے یا بحر اسود کے مغرب سے ہوتے ہوئے مشرقِ وسطیٰ آجاتے تھے مگر دوسری اور تیسری صدی قبل مسیح میں رومی حکومت کے قیام اور مشرقِ وسطیٰ میں توسیع سے اب سائبیریا سے آنے والے حملہ آور مشرق نہیں آسکتے تھے اور 600 ق م میں سدّ ذوالقرنین کے بننے سے ایران میں بھی داخلہ مسدود ہوگیا تھا لہٰذا اب سائبیریا کے حملہ آور یورپ کی طرف رُخ کرتے رہے لہٰذا دور دراز علاقوں میں پھیل گئے اور اس آبادکاری سے یورپ میں تہذیب وتمدّن کی ابتدا ہوئی۔

ان حالات میں یونانی علوم کا رُخ یورپ کی طرف نہیں ہوسکا کہ وہ تہذیبی اعتبار سے ابھی ان باتوں کی طلب اور قدر دانی کا فقدان تھا اور انسانیت ابھی عہد طفولیت میں تھی۔

یونانی دور تک کی سائنسی ایجادات......کامیابیاں

انسانیت اس وقت تک ابھی 'جوانی' کی عمر میں قدم رکھ رہی تھی۔ جذبہ اور قوتِ کار بہت تھی علوم کا دائرہ بہت چھوٹا تھا۔ لہٰذا اس دور میں تجرباتی علوم کے فروغ کا بہت سارا کام ہوگیا۔ ذیل میں ہم اس دور کی ایجادات کی ایک فہرست نقل کر رہے ہیں تاکہ عام قاری کو بھی اندازہ ہوسکے کہ اس دور میں انسان نے کیا کیا کامیابیاں حاصل کی تھیں۔ یہ ایجادات تعداد میں کل 37 ہیں۔

1st-5th centuries

1-100 CE: Junk ship in China (بادبانی جہاز)
1-100 CE: Junk rudder in China[64] (پتوار)
38 CE: Hydraulic-powered bellows: Du Shi (پانی سے چلنے والا ہوادان)
50 CE: Mouldboard plough in China and Gaul (خاص قسم کا ہل)
77 CE: Encyclopedia (comprehensive work): Pliny the Elder[16]
78-139: Hydraulic-powered armillary sphere: Zhang Heng
100s: Lateen sail by Greco-Roman sailors (بادبان)
100s: Steam power: Hero of Alexandria in Roman Egypt
100s: Vending machine: Hero of Alexandria (چیزیں سمیٹنے والی مشین)

100s: Force pump: Hero of Alexandria

100s: Carding in India[75] (دھاگہ بنانا)

105: Paper: Cai Lun in China[76]

132: Rudimentary Seismometer: Zhang Heng in China (بنیادی زلزلہ ماپنے کا آلہ)

180: Rotary fan: Ding Huan in China

180: Winnowing fan: Ding Huan in China[citation needed](چھاج)

200s: Kongming lantern (Hot air balloon) in China

200s: Horseshoes in Germany (نعل)

200-400: Stepwell in India[77] (سیڑھیوں والا کنواں)

Combination lock in Roman Empire[78]

300s: Corrosion-resistant iron: Iron pillar of Delhi in India[79] (زنگ سے بچنے والا لوہا)

300s: Toothpaste in Roman Egypt

300s: Crystallized Sugar in India

400s: Horse collar in China (باگ)

400s: Cotton gin in India[80] (سوتی سپرٹ)

Fore-and-aft rig in India[81] (بادبان)

Kamal in India[82] (عرض بلد ناپنے کا آلہ)

Prayer wheel: Tibet[83] (ہندوؤں کا مقدس پیالہ)

Three-masted merchant vessel in China[84] (بحری جہاز)

Woodblock printing in China

6th-8th centuries

500s: Chaturanga, a precursor of chess: India[85] (شطرنج کی طرح کا کھیل)

500s: Pachisi, a precursor of Ludo: India[86]

500s: Incense clock in India[87][88] (خاص قسم کی گھڑی)

589: Toilet paper: Yan Zhitui in China

605: Fully-stone open-spandrel segmental arch bridge:
Li Chun in China
618-700: Porcelain in China
618-907: Water-powered rotary fan in China
673: Greek fire flamethrower: Kallinikos of Heliopolis

(http://www.thefullwiki.org/Timeline_of_historic_inventions)

مسیحی یورپ کا دورِ جہالت (DARK AGES)

سن عیسوی کی ابتدائی آٹھ صدیوں کا ہی دور ہے جس میں یونانی علوم عروج پر تھے۔ اسکندر اعظم متمدن دنیا فتح کرنے کے لئے مشرقِ وسطیٰ ایران افغانستان کو روندتا ہوا پاکستان کے علاقے تک آ گیا مگر یونانی سلطنت اور علوم کی کوئی توسیع یورپ میں نہ ہو سکی۔ یہی 400ء سے لے کر 1400ء تک کا دور یورپی اور مغربی مؤرخین کے نزدیک مجموعی طور پر مسیحی یورپ کے لئے دورِ جہالت یا DARK AGES ہے۔ پہلے ہم برٹرینڈ رسل کے حوالے سے لکھ چکے ہیں کہ یہی دور مغربی یورپ میں واقع مسلم سپین میں روشنی کا دور تھا اور سائنسی علوم کی ترقی کا سورج نصف النہار پر چمک رہا تھا۔

یورپ کے وسطی علاقوں اٹلی، جرمنی، فرانس، برطانیہ سے لوگ سپین میں واقع غرناطہ اور اشبیلیہ کی مسلم یونیورسٹیوں میں علم کے حصول کے لئے ایسے کھنچے چلے آتے تھے جیسے آج کل لوگ امریکی اور مغربی یونیورسٹیوں کی طرف لپکتے ہیں۔

کاش یورپی مؤرخین تاریخ یورپ لکھتے ہوئے علمی خیانت سے کام نہ لیتے اور مسلم سپین کی ترقی کا اُس طرح تذکرہ کرتے جو اس حقیقی ترقی اور علم کی روشنی کا حق تھا۔ اگر اس راہ میں یہی مذہبی تعصب، خدابیزاری اور وحی دشمنی آڑے نہ آئی ہوتی تو گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں صدی سے جاری صلیبی جنگوں کی نوبت نہ آتی۔

حقیقت یہ ہے کہ ان جنگوں کے پیچھے دراصل بنی اسرائیل (صہیونیت) اور ان کے ہم مذہب خضار (KHAZAR) روسی قبائل ہی تھے جنھوں نے آٹھویں صدی عیسوی سے دسویں صدی عیسوی کے درمیان یہودیت قبول کر لی تھی اور بنی اسرائیل کی عالمی سلطنت بنانے

اور یروشلم میں حکومت دلانے کا وعدہ کرلیا تھا اور خضار کی یہی قوت صلیبی جنگوں کے در پردہ MASTER MIND تھی اور مسلم دشمنی کو بڑھانے کے ذمہ دار تھے۔

یورپ کے دورِ جہالت کی ابتداء اور اس کو 1000 سال تک طول دینے کا بظاہر ذمہ دار رومی بادشاہ قسطنطین (CONSTAINTINE) ہے جو حضرت محمد ﷺ کے زمانۂ مبارک میں یروشلم تک حکمران تھا۔ آپ ﷺ نے 8ھ (628ء) میں فتح مکہ کے بعد جب سربراہانِ حکومت کو دعوتی خطوط لکھے تو ایران کے کسریٰ کے ساتھ رومی بادشاہ کو بھی خط لکھا۔ اس کے رویّے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حضرت محمد ﷺ کو پہچانتا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں مگر چاہتا تھا کہ پوری رومی سلطنت EN-BLOCK مسلمان ہوجائے تا کہ اس کا اقتدار محفوظ رہے۔ سلطنت اور اقتدار پاؤں کی بیڑی بن گیا اور وہ خود بھی ہدایت سے محروم رہا اور قسطنطنیہ میں رومی سلطنت کے خاتمے (1453ء) تک یورپ میں مسلمانوں کے داخلے کا راستہ روک کر یورپ کو دورِ جہالت (DARK AGES) کا تحفہ دے گیا۔*

* مسلمانوں کی تاریخ میں (صحیح بخاری، باب کیف کان بدء الوحی میں) حضرت ابوسفیان (h) سے جو روایت ہے اس کے مطابق رومی بادشاہ نے کہا تھا کہ میں منتظر تھا کہ ایک نبی آنے والا ہے اگر یہ سلطنت آڑے نہ آتی تو چاہتا ہوں کہ اس نبی (ﷺ) کی خدمت میں حاضری دوں اور ان کے پاؤں دھوؤں۔ افسوس کہ کوئی دشمن قوت آڑے آ گئی اور وہ ایمان سے بہرور نہ ہوسکا۔

افسوس کہ مغربی طاقتوں کے پس پردہ صہیونی دماغ رومی بادشاہ قسطنطین کو برا بھلا کہنے کے بجائے مسلمانوں کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں اور یورپ کے اہل علم بھی اسی عینک سے حالات کو دیکھنے پر مجبور ہیں۔ تعصب کی عینک اُتار کر دیکھنا ان کو کب نصیب ہوگا؟ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ جب تک دنیا میں صہیونیت اور اس کے حمایتی موجود ہیں حق پرستی اور آسمانی ہدایت کا فروغ ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ یہی یورپ کی بدقسمتی اور دورِ جہالت کا سبب ہے اور اس میں رومی بادشاہ کا اسلام قبول نہ کرنا یورپ سے دشمنی کے مترادف ہے کہ اس کے اس فیصلے سے یورپ 1000 سال تک پیچھے چلا گیا اور جو علمی ترقی فتح قسطنطنیہ (1453ء) کے بعد شروع ہوئی اور جس کے ثمرات 300 سال بعد سامنے آئے، وہ ثمرات ہزار سال پہلے یورپ کا مقدّر نہ بن سکے۔

یونانی علوم اور بنی اسرائیل

بنی اسرائیل کا یہ نام حضرت ابراہیم d کے چھوٹے بیٹے حضرت اسحاق d کے بیٹے حضرت یعقوب d کے لقب اسرائیل کی نسبت ہے۔ آغاز سے ہی بنی اسرائیل کے مابین ایک فکری اور ذہنی دراڑ (خلیج) پیدا ہوئی اور 'مخلصین اور 'شریر' کے دو گروہ بن گئے۔ یہی دو گروہ دو دریاؤں کی طرح ساتھ ساتھ چلتے رہے جن کا پانی آپس میں نہیں ملتا تاآنکہ حضرت موسیٰ d کے دور میں زیادہ نمایاں ہوئے، بچھڑا پرستی کے مرتکب ہوئے، جہاد سے انکار کیا اور جادو وغیرہ میں دلچسپی لی۔ قتل انبیاء f جیسے جرم کیے بلکہ اس تسلسل سے یہ جرم کیا کہ جیسے یہ جرم ہی نہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اس شریر گروہ کو شیطان لعین کے زیر اثر اور حزب الشیطان قرار دے دیا۔

وقت کے ساتھ مخلصین کی تعداد کم ہوتی گئی اور شریر عنصر بڑھتا چلا گیا۔ حضرت سلیمان d کے زمانہ عروج کے بعد جب زوال آیا تو حضرت عزیز d اور دیگر انبیاء کرام f کی محنت سے جہاد کا جذبہ پیدا ہوا۔ بیت المقدس واپس آئے۔ 300_150 ق م میں فلسطین کے علاقے میں دوبارہ اقتدار نصیب ہوا۔ بیت المقدس تعمیر کر لیا 'مکابی سلطنت' کے نام سے یہ سلطنت یونان کے سیاسی عروج کے فوراً بعد قائم ہوئی۔ ملت ابراہیمی کی وراثت، تعلیماتِ انبیاء کرام f کی امانت اور 'حزب اللہ' کے اعلیٰ مقام کا تقاضا تھا کہ بنی اسرائیل آس پاس کے علاقے میں اللہ کے دین کی تبلیغ کرتے اور اسلامی مملکت کی توسیع کرتے۔ مگر افسوس صد افسوس کہ مخلصین اور شریر طبقات کے باہمی جھگڑوں کی وجہ سے یہ زمانہ عروج جلد ہی ختم ہو گیا اور کچھ عجیب نہیں کہ بنی اسرائیل کے اسی شریر عنصر جو ابلیسی اور شیطانی اغوا کے باعث آسمانی ہدایت کی نمائندگی کے بجائے اب وحی دشمنی اور قتل انبیاء f جیسے جرائم کا داعی بن گیا تھا (یہی گروہ بعد میں صہیونیت (ZIONISM) اور ZIONS کے نام سے مشہور ہوا) اسی کے ایما پر ہی رومیوں نے مشرقِ وسطیٰ پر حملے کئے اور قابض ہو گئے۔ رومیوں اور بنی اسرائیل کے گٹھ جوڑ کا نتیجہ ہے۔ بنی اسرائیل اپنے ہی علاقے میں محفوظ غلام بن کر رہنے لگے۔ اسی غلامی کے دور میں حضرت عیسیٰ d تشریف لائے۔ وہ جلیل القدر رسول ہیں انہیں یہ بنی اسرائیل قتل تو نہیں کر سکے مگر حضرت عیسیٰ d پر ایمان بھی نہیں لائے اور انہیں ہر طرح سے ستایا یہاں تک کہ اپنے زُعم میں مصلوب کرا دیا اگرچہ

قرآن کریم کے بیان کے مطابق وہ مقتول یا مصلوب نہیں ہوئے (اور اہل سنت کے عقیدے کے مطابق وہ زندہ ہیں دوبارہ تشریف لائیں گے۔)

یہاں بنی اسرائیل کی تاریخ کا صرف یہ پہلو انتہائی اہمیت کا حامل ہے کہ انبیاء f کی اولاد، اللہ کے چہیتے (CHOSEN PEOPLE OF THE LORD) حقیقی انسان (جبکہ غیر اسرائیلی انسان ہی نہیں ہیں، کا عقیدہ رکھنے والے) یونان کے علوم کے قدردان کیسے بن گئے اور یونانی مشرکانہ افکار اور ملحدانہ نظریات کے علمبردار کیسے بن گئے اور یونانی تہذیب جو حیوانی تہذیب ہی ہے (بے حیائی، بے لباسی، بے غیرتی، خدا بیزاری، اخلاق دشمنی اور وحی دشمنی کے تمغے سجائے ہوئے ہے) بنی اسرائیل نے کیسے اُسے اپنانے کا فیصلہ کرلیا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت سلیمان d کے دورِ حکومت میں بنی اسرائیل کو جو عروج نصیب ہوا اسی دوران اس طبقہ نے بعض نظریاتی آرا پختہ کرلی تھیں۔ دورِ زوال میں جب عراق ایران وغیرہ میں غلام تھے تو بابل کی اس اسیری کے دوران اُنہوں نے غیر اسرائیلی لوگوں سے روابط میں اپنی حکومت کے قیام اور عالمی حکومت کی تشکیل کے لئے گھ جوڑ کیے اور حالات سازگار بنائے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس شریر عنصر کو اپنے مقام ہدایت سے اعراض اور وراثت انبیاء f کی ناقدری کی بنا پر 'مغضوب علیہم' قرار دے دیا۔

اس صورتِ حال کے بعد جب حضرت محمد ﷺ کی آمد پر توبہ کا ایک موقع ملا مگر اس کے باوجود آپ ﷺ کے قتل کے منصوبے بنائے اور مخالفت ہی کی، جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں سخت سزا دی اور مسلمانوں کے ہاتھوں جزیرۂ نمائے عرب سے نکلوادیا۔ اس سزا کی بنا پر اب یہ گروہ انبیاءِ کرام f کا نام لینے، تورات وانجیل کو ماننے کے باوجود گزشتہ دو ہزار سال سے اپنے انبیاء کی تعلیمات کے فروغ، احیاء اور نفاذ کے لئے کام نہیں کرتا اور نہ دین الٰہی کو پھیلاتا ہے بلکہ اپنی عالمی سلطنت کے قیام کے لئے دوسروں کو آگے کر کے استعمال کرتا ہے اور ہر ملحدانہ نظریہ، فکر، تہذیب، فن، سوچ کی سرپرستی کر کے فروغ دیتا ہے جو انسان کو شیطانی راہ پر لگا دے تا کہ آسمانی ہدایت کا فقدان ہو۔ یہی ابلیسی سوچ ہے جو حضرت محمد ﷺ کی تشریف آوری کے بعد سے آج تک جاری ہے اس جنگ میں شیطان کے نمائندے انسانوں میں سے یہی بنی اسرائیل ہیں۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی

اس خیر وشر کی جنگ میں بنی اسرائیل نے یونانی تہذیب وتمدن اور افکار ونظریات کو OWN کرلیا ہے اور دوسروں کے ہاں اس کے فروغ کے لئے اپنے تمام وسائل جھونک دیے ہیں اور حق کے علمبردار ہونے کے باوجود مسلمانوں کے پاس جو قرآن ہے اس کی مخالفت میں ملحدوں اور بے دینوں، مشرکوں سے بھی زیادہ سرگرم اور پیش پیش ہیں۔ اس مہم جوئی میں بنی اسرائیل نے یونانی نظریات اور سائنسی ترقی کا سہارا لیا تھا آج سے دو ہزار سال پہلے اور آج تک اسی فیصلے کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں اور یونانی افکار ونظریات کو فروغ دینے کا علم اُٹھائے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہدایت کے ملنے کے بعد دھتکارے جانے کی اس سے زیادہ نمایاں مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ہے۔ (اور بدقسمتی سے یہود یعنی بنی اسرائیل کی روش آج بھی یہی ہے)۔

دوسری طرف اس ابلیسی گروہ یعنی بنی اسرائیل نے آسمانی ہدایت اور آسمانی کتاب تورات (بمعنی LAW) اور انجیل رکھنے کے باوجود رومی قانون (ROMAN LAW) اور رومی طرزِ حکومت (جو ظالمانہ، بے رحمانہ اور خوف طاری کرنے والا مشہور ہے بلکہ ضرب المثل ہے) کو اپنے لئے پسند کیا بعد کے ادوار میں موقع ملنے پر اسی کو نافذ کر دیا۔ یہ بات بھی سامنے رہے کہ بنی اسرائیل اپنی تاریخ میں حضرت داؤد d اور حضرت سلیمان d جیسے بادشاہوں اور شاندار حکومتوں کی روایات کے امین بھی ہیں)

اس یونانی نظریات سے ذہنی وفکری ہم آہنگی اور مطابقت کا نتیجہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی تاریخ میں (آسمانی ہدایت کے علمبردار ہونے کے باوجود یونانی ملحدانہ فکر وفلسفہ اور رومی مظالم پر کوئی بحث، مکالمہ یا مخالفت نہیں ہے جبکہ مسلمانوں، مسلمانوں کی کتاب قرآن مجید اور صاحب قرآن حضرت محمد ﷺ کی سخت مخالفت، جنگیں، کتابیں، لٹریچر اور توہین کا وافر سامان اپنی تاریخ کے اوراق میں سموئے ہوئے ہیں اور یہی ان کی تاریخ کا سیاہ ترین باب ہے۔

پاکستان کی موجودہ حالتِ زار

(سورہ ابراہیم کی روشنی میں)

محمّد نذیر یٰسین

قرآن حکیم کی تلاوت سنتے ہوئے ایک روز راقم الحروف کی توجہ، سورۂ ابراہیم کے اس آیت پر مرکوز ہو کر رہ گئی:

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ بَدَّلُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ کُفۡرًا وَّ اَحَلُّوۡا قَوۡمَہُمۡ دَارَ الۡبَوَارِ

''کیا آپ ﷺ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کے بدلے میں ناشکری کی اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں لا اُتارا؟''

ذرا غور کرنے پر معلوم ہوا کہ یہاں تو گویا پاکستان کی موجودہ صورتحال کی مکمل عکاسی کی گئی ہے۔ بعدازاں، اس کے بعد کی آیات اور پھر پوری سورۂ ابراہیم کے مضامین پر غور و فکر سے اس سورت مبارکہ کی پاکستان کے موجودہ حالات کے ساتھ ایک خاص نسبت نظر آئی تو قرآن حکیم کے ایک کتابِ زندہ اور ابدی رہنمائی کے سرچشمہ ہونے کا یقین مزید پختہ ہو گیا۔ اسی حقیقت کا اظہار اس سورت کی پہلی ہی آیت میں بھی کیا گیا ہے کہ یہ قرآن حکیم، لوگوں کو جہالت کے اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جانے والی کتاب ہے۔

پاکستان کی موجودہ تباہی کا ذمہ دار کون؟

پاکستان کی موجودہ صورتحال کے حوالے سے یہ بحث بہت عام ہے کہ آخر اس زوال اور تباہی و بربادی کے اسباب کیا ہیں؟ اور اس کے ذمہ دار کون لوگ یا کونسے طبقات ہیں؟

کوئی اس کا ذمہ دار فوجی آمروں کو قرار دیتا ہے تو کوئی سیاستدانوں کو۔ کسی کے نزدیک یہ سب افسر شاہی کا کیا دھرا ہے اور کوئی ملاؤں و مذہبی انتہا پسندوں کو اس کا ذمہ دار گردانتا ہے۔ ایک بڑے طبقے کے نزدیک عدلیہ کا نظریہ ضرورت، ان تمام خرابیوں کی جڑ و بنیاد تھا لہٰذا وہ وکلاء تحریک کی کامیابی کے بعد موجودہ عدلیہ سے غیر معمولی توقعات وابستہ کیے بیٹھا ہے۔

پاکستان کو موجودہ حالت زار تک پہنچانے کی ذمہ داری اگرچہ کسی نہ کسی درجے میں ہر پاکستانی پر عائد کی جاسکتی ہے مگر حصہ بقدر جثہ کے مصداق، اس کی زیادہ ذمہ داری اُن طبقات پر عائد ہوتی ہے، جو اس وقت ریاستی عہدوں پر براجمان ہیں یا ماضی میں رہے ہیں اور یا پھر معاشرے میں غیر معمولی اثر ورسوخ کے حامل ہیں۔ تاہم کسی ایک طبقے یا طبقات کو موجودہ بدحالی کا ذمہ دار قرار دے دینا، ہمارے مسائل اور باہمی تقسیم وانتشار میں اضافے کا باعث تو بن سکتا ہے مگر موجودہ بحرانی صورتحال سے نکلنے میں ہماری کوئی مدد نہیں کرسکتا۔

ہماری تباہی کی وجہ بننے والی ذہنیت

ہماری اصل ضرورت اُس ذہنیت کو سمجھنا اور اسے بدلنا ہے، جس نے ہمیں موجودہ انجامِ بد سے دوچار کررکھا ہے۔ اپنی ہی قوم کو تباہی کے دہانے پر پہنچانے والے لوگوں کی بدعقیدگی و بیمار ذہنیت کو سورۂ ابراہیم کی آیت نمبر 30 میں اس طرح سے بیان کیا گیا ہے:

وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ

''اورانہوں نے اللہ کے ہمسر اختیار کرلیے تاکہ اُس کے راستے سے لوگوں کو بھٹکا دیں۔ آپ ﷺ فرما دیجیے کہ (دنیا میں) مزے اڑالو، پھر آخر کار تمہیں جہنم کی طرف ہی پلٹنا ہے۔''

اس آیہ مبارکہ میں واضح طور پر کسی قوم کی تباہی کا سبب، اللہ رب العزت کی ہمسری اختیار کرنا، قرار دیا گیا ہے۔ مزید برآں اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ قرآنی الفاظ کی رو سے ہم بخوبی جانتے ہیں کہ حکم دینے کا اختیار صرف اللہ کے پاس ہے مگر ہم یہ بات عملاً ماننے پر آمادہ نہیں ہیں۔ اگر ہوتے تو آج ہمارے ہاں یہ بحث نہ چل رہی ہوتی کہ پارلیمنٹ اور عدلیہ میں سے کس ادارے کو سپریم اتھارٹی حاصل ہے؟ جو لوگ دستورِ پاکستان کو سب سے بالاتر قرار دے کر بظاہر اس بحث

سے جان چھڑاتے ہیں، وہ اس حقیقت کو کیوں نظر انداز کر دیتے ہیں کہ دستور پاکستان میں تو اقتدار اعلیٰ کا مالک ذات باری تعالیٰ کو تسلیم کیا گیا ہے جس کا منطقی و لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ یہاں ہر قسم کی قانون سازی قرآن وسنت کے مطابق ہو۔ دین اللہ کی سپریم اتھارٹی کو عملاً تسلیم کرتے ہوئے اس کے مطابق قانون سازی نہ کرنا، اسے نہ ماننے یا بالفاظ دیگر اللہ کی ہمسری کرنے کے مترادف ہی قرار پاتا ہے۔

قول وفعل کا تضاد، ہمارا طرہ امتیاز

اگر کسی بات کا زبان سے اقرار کیا جائے مگر اس پر عمل نہ کیا جائے تو یہ قول وفعل کا تضاد کہلاتا ہے اور قول وفعل کا یہ تضاد ہی پاکستانی قوم کا اصل روگ ہے۔ ہمارے بارے میں اس کا اظہار تو پوری دنیا کب سے کر رہی ہے مگر آج ہمارے دانشوروں کی عظیم اکثریت بھی اس کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو چکی ہے۔ اس مرض کو دیگر الفاظ میں دوعملی، دورُخی، ڈبل گیم یا نفاق بھی کہا جاتا ہے اور اس کے لئے منافقت کا عام فہم لفظ زیادہ استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ اسی مرضِ منافقت کا نتیجہ ہے کہ آج ہماری فوج بظاہر ملکی سرحدوں کی محافظ بھی ہے اور عالمی سامراجی قوتوں کی آلہ کار بھی۔ ہمارے سیاستدان عوام کی نمائندگی و خدمت کے دعویدار بھی ہیں اور اُن کا خون نچوڑنے والے بھی۔ ہمارے مذہبی رہنما، اسلام اور جہاد کے چمپئن بھی اور ہماری فرعون صفت، اسٹیبلشمنٹ کی آنکھوں کا تارا بھی۔ پاکستانیوں سے زیادہ مظلوم قوم دنیا میں کوئی اور نہیں ہے تو ان سے زیادہ بدنام زمانہ بھی کوئی نہیں ہے۔ پاکستان کے دستور کا تضاد اور اس کی دورُخی دوعملی بھی سب پر واضح ہے لہٰذا دستورِ پاکستان کو بجا طور پر ہماری اجتماعی منافقت اور قومی تضادات کی اہم ترین علامت قرار دیا جا سکتا ہے۔

سورہ ابراہیم کی جو آیت ان سطور کی تحریر کا باعث بنی ہے، اس سے ماقبل کی آیات 24 تا 27 میں ایک کلمۂ پاکیزہ اور ایک کلمۂ خبیثہ کی مثال بیان کی گئی ہے۔ کلمۂ پاکیزہ کی مثال ایک ایسے پاکیزہ درخت کی سی ہے جس کی جڑ مضبوط ہو، اس کی شاخیں آسمان سے باتیں کر رہی ہوں اور وہ باذن ربی ہر وقت پھل لاتا رہتا ہو جبکہ کلمۂ خبیثہ کو ایک ایسے شجر خبیثہ سے تشبیہ دی گئی ہے جسے کچھ ثبات وقرار حاصل نہ ہو اور اسے بآسانی اکھاڑا جا سکتا ہو۔ اگر دستورِ پاکستان میں قراردادِ

مقاصد اور کچھ دیگر اسلامی دفعات شامل نہ ہوتی تو اسے ایک کلمۂ خبیثہ قرار دینے میں کوئی چیز مانع نہ ہوسکتی تھی مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یہ دستور، کلمہء پاکیزہ کے معیار پر ہرگز ہرگز پورا نہیں اترتا۔ جو دینی رہنما ہر وقت 1973ء کے آئین کا حوالہ دے کر اسے ایک مقدس صحیفہ ثابت کرتے رہتے ہیں، اُن کی عقلوں پر ماتم ہی کیا جاسکتا ہے۔ آخر حق کو باطل کے ساتھ گڈ مڈ نہ کرنے کا قرآنی حکم کیا معانی رکھتا ہے؟ کفر و ایمان کے بیچ کی اس حالت کو سوائے نفاق کے، اور کیا نام دیا جاسکتا ہے؟ قرارداد مقاصد کی شمولیت کی بنا پر انگریز کے چھوڑے ہوئے نظام کو اسلامی نظام کہنا، بذات خود منافقت کی انتہا ہے۔

منافقت کے روگ کی اصل وجہ

یہ منافقت یہ دوعملی اور یہ دورُخے پن کا روگ، پوری قوم کی رگ و پے میں کیسے اور کیونکر سمایا؟ اس اہم و بنیادی سوال کا جواب سورۂ ابراہیم کی ابتداء میں ہی بیان کر دیا گیا تھا:

> ’’جو لوگ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو محبوب رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں (یعنی خود بھی اللہ کی راہ سے رُکتے ہیں اور لوگوں کو روکنے کا باعث بھی بنتے ہیں) اور اس راہ کو ٹیڑھا کرنا چاہتے ہیں، وہی لوگ پرلے درجے کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔‘‘ (سورہ ابراہیم 3)

اس آیت مبارکہ اور پاکستانی قوم کے عمومی رویے سے یہ بات بالکل عیاں ہے کہ دنیا کی محبت، ہمارے دلوں میں مکمل طور پر گھر کر چکی ہے۔ مغربی تہذیب کی چکا چوند نے ہمیں اس قدر متاثر و مرعوب کر رکھا ہے کہ ہم اسلامی تعلیمات کو دقیانوسی یا موجودہ دور میں ناقابل عمل قرار دے کر اُن میں من مانی ترامیم کرنا چاہتے ہیں۔ دنیا کے ساتھ چلنے کے نام پر سُود، جوے اور بے پردگی کو عملاً حلال کر لیا گیا ہے جبکہ رشوت، بدعنوانی، ملاوٹ، جھوٹ اور دھوکا دہی کی لعنتیں، دن بدن قوم کے ہر فرد کی رگ و پے میں سماتی چلی جارہی ہیں۔

سبھی جانتے ہیں کہ اسلام کا اصل سیاسی نظام، نظام خلافت ہے مگر ہمارے دینی رہنماؤں کا حال یہ ہے کہ مروّجہ مغربی جمہوریت سے محبت و عقیدت اور اس سے وابستہ ذاتی و طبقاتی مفادات، اُنہیں اس قدر عزیز ہو چکے ہیں کہ آج اسلام کے اصل نظام (نظامِ خلافت) کا

نام بھولے سے بھی اُن کی زبانوں سے نہیں نکلتا ہے۔ اگر اکثریت کی حکمرانی کے تصور پر مبنی، مروّجہ اَخلاق باختہ اور سرمایہ دار طبقے کے گھر کی لونڈی، یہ نام نہاد جمہوریت ہی انسانیت کے تمام مسائل کا حل ہوتی تو اللہ تبارک وتعالیٰ ،قومِ نوح ،قومِ عاد وثمود، قومِ لوط، قومِ شعیب، آلِ فرعون اور اہل یونان وغیرہ بے شمار اقوام کو تباہ و برباد فرما کر اُنہیں رہتی دنیا تک عبرت کا نشان نہ بناتے۔

کارِرسالت اور ہماری دینی جماعتیں

اسی حوالے سے ہماری دینی قیادت وسیادت کا ایک اور المیہ یہ بھی ہے کہ وہ کارِنبوت اور کارِرسالت کا فرق سمجھنے سے قاصر دکھائی دیتی ہے۔ ایک طویل تاریخی بُعد وخلا کی وجہ سے وہ ان دونوں کو ایک ہی عمل سمجھے چلی جارہی ہے درآں حالانکہ ان دونوں کے نہ صرف تقاضے مختلف ہیں بلکہ یہ دو مختلف قسم کے حالات میں سرانجام دیے جاتے ہیں۔

کارِنبوت ایک مسلسل جاری رہنے والا عمل ہے جس کا مقصد پہلے سے اسلامی اصولوں پر استوار شدہ کسی معاشرے کی اصلاح وتربیت کا کام سرانجام دینا ہوتا ہے جبکہ کارِرسالت کی ضرورت اُس وقت پیش آتی ہے جب کوئی معاشرہ اخلاقی زوال وپستی کی انتہا کو پہنچ جاتا ہے اور اسلامی تعلیمات کے مطابق اُس کی تشکیل نو کا مرحلہ درپیش ہوتا ہے۔

اگرچہ نبوت ورسالت حضور نبی کریم ﷺ پر ختم ہوچکی ہے مگر کارِنبوت ورسالت کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ جب تک اُمت کے اندر اسلامی نظام قائم تھا تو اُس وقت، ضرورت صرف اس کی اصلاح وحفاظت تک محدود تھی جسے کارِنبوت کا نام بھی دیا جاسکتا ہے تاہم خلافت عثمانیہ کے خاتمہ کے بعد اُمت مسلمہ کی اصل ضرورت وترجیح اوّل، اُس نظام کو از سرِنو قائم کرنا بن چکی ہے۔ چونکہ آج اُمت مسلمہ کی آبادی بہت بڑھ چکی ہے اور وہ بے شمار ریاستوں میں بھی بٹ چکی ہے، لہٰذا پوری اُمت کی تشکیل نو اور اسے دوبارہ ایک حقیقی اسلامی معاشرے میں ڈھالنے کا کام یکا یک ممکن نہیں ہوسکتا۔ یہ کارِعظیم اگرچہ پوری اُمت کے اندر کسی نہ کسی انداز میں مسلسل جاری ہے مگر ایک حقیقی، مکمل اور ہمہ گیر اسلامی انقلاب کا آغاز کسی ایک مسلم ملک سے ہی ہوسکے گا جس کے بعد اس میں بتدریج توسیع ہوتی چلی جائے گی اور مسلمان ماضی کی طرح دوبارہ ایک اُمت واحدہ کی شکل اختیار کرلیں گے۔

پاکستانی معاشرہ، انقلاب کے دہانے پر

پاکستان کا شمار اُن اہم ترین اسلامی ممالک میں ہوتا ہے جن کے بارے میں اہل علم کا خیال ہے کہ وہاں ایک حقیقی اسلامی معاشرے کے قیام یا بالفاظ دیگر ایک کامل اسلامی انقلاب کے وقوع پذیر ہونے کا امکان سب سے زیادہ پایا جاتا ہے۔قرآن حکیم اور دیگر تاریخی آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ جو معاشرہ تشکیل نو کے مرحلہ سے گزر رہا ہوتا ہے، وہاں ایک واضح معاشرتی تقسیم (polarization) اور محاذ آرائی (confrontation) کی کیفیت پیدا ہوجایا کرتی ہے۔آج عالم اسلام میں صرف پاکستان ہی وہ ملک ہے جہاں یہ تقسیم ومحاذ آرائی نہ صرف بالکل واضح ہے بلکہ اس میں دن بدن اضافہ بھی ہوتا چلا جارہا ہے۔اگرچہ اسلام اور سیکولرازم کی یہ جنگ قیام پاکستان کے ساتھ ہی شروع ہوگئی تھی تاہم نائن الیون کے بعد یہ حتمی مرحلے میں داخل ہوگئی تھی اور اب یہ جلد ہی اپنے اختتام کو پہنچتی دکھائی دے رہی ہے۔اسلام اور سیکولرازم کی اس جنگ میں پاکستان کی تمام ہی دینی قوتیں اپنی اپنی سوچ اور اپنی اپنی بساط کے مطابق حصہ ڈال رہی ہیں جس کے مثبت نتائج جلد یا بدیر ان شاءاللہ، اسلام کے حق میں ہی برآمد ہوں گے۔

سچ تو یہ ہے کہ کسی معاشرے کی تشکیل نو (بالخصوص اسلامی خطوط پر) ایک مشکل ترین مرحلہ ہوتا ہے جس کے لئے بہت کٹھن وصبر آزما جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے۔اس جدوجہد کو معاشرے کی طرف سے بالعموم اور اس کے مراعات یافتہ طبقے کی طرف سے بالخصوص، شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ چونکہ یہ ایک فیصلہ کن مرحلہ ہوتا ہے لہٰذا اس حوالے سے قدرت کا ایک اٹل فیصلہ بھی نافذ ہوا کرتا ہے اور وہ فیصلہ، تشکیل نو کی مخالف قوتوں کی نابودی کا ہوتا ہے۔اُن کی نابودی کا یہ فیصلہ مختلف ادوار میں مختلف صورتوں میں نافذ ہوتا رہا ہے، کبھی اُن پر ارضی وسماوی آفات کے نزول کی صورت میں اور کبھی میدانِ جنگ میں اُنہیں شکست فاش سے دوچار کرنے کی صورت میں۔

کارِرسالت کی خصوصیات ومراحل

سورۂ ابراہیم میں نہ صرف عذابِ ہلاکت سے دوچار ہونے والی کئی اقوام (قومِ فرعون، قومِ نوح اور قوم عاد وثمود) کی مثالیں بیان کی گئی ہیں بلکہ کاررسالت کی کچھ خصوصیات و

مراحل اور رسولوں کو درپیش آنے والی مشکلات کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔جن کی تفصیل ذیل میں بیان کی جارہی ہے:

(1) کارِ رسالت کی ایک اہم خصوصیت آیت نمبر 4 میں یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ اُس قوم کی اپنی زبان میں ادا کیا جاتا ہے تاکہ اُس پر حق کو بالکل واضح ومبرہن کردیا جائے۔اس نکتہ کو پاکستان پر اپلائی کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ کسی بھی ملک کی نسبت، یہاں دینِ حق کا پیغام زیادہ وسیع وہمہ گیر پیمانے پر پھیلا ہے۔ یہاں نہ صرف قرآن کے انقلابی پیغام کی دعوت بڑے پیمانے پر عام ہوئی ہے بلکہ قرآن کے سب سے زیادہ تراجم بھی اردو زبان میں ہی کیے گئے ہیں اور سب سے زیادہ تبلیغی ودعوتی سرگرمیاں بھی یہیں سرانجام دی جارہی ہیں۔

(2) سورۂ ابراہیم کی آیت نمبر 6 میں جلیل القدر پیغمبر، حضرت موسیٰ d کی قوم پر اللہ تعالیٰ کے انعامات واحسانات کا تذکرہ کیا گیا ہے جس سے ثابت ہوا کہ جس قوم کی تشکیل نو درکار ہوتی ہے، اُس پر اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم کی بارشیں خاص طور پر نازل فرماتا ہے تاکہ اُس قوم میں اپنے ربّ کی احسان مندی وشکر گزاری کا جذبہ اچھی طرح گھر کرسکے جیسا کہ یہی بات سورۂ قریش اور سورۂ فیل کے حوالے سے اہلِ مکہ کے بارے میں بھی بیان کی گئی ہے۔اس نکتہ پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ پاکستان کا معجزانہ قیام، اب تک بقاء اور بڑے بڑے بحرانوں سے باہر نکل آنا، یہ سب اللہ کے خاص فضل وکرم کا نتیجہ ہے وگرنہ ہم نے تو اپنی بداعمالیوں سے، اسے تباہ و برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑ رکھی ہے۔مگر ہماری احسان فراموشی کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ پاکستان کو ایٹمی قوت بنا کر ناقابلِ تسخیر بنانے والے، محسنِ پاکستان، ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو اُنہی سکیورٹی اداروں نے پابندِ سلاسل کیا جنہیں اس ایٹمی صلاحیت کی بدولت غیر معمولی تقویت حاصل ہوئی۔ ایسی قومی احسان فراموشی کی مثال سوائے پاکستان کے، دنیا میں کہیں اور نہیں مل سکتی ہے۔

ایک حدیث میں کہا گیا ہے کہ جو شخص اپنے محسن کا شکر گزار نہیں ہوتا، وہ اللہ کا شکر گزار بھی نہیں بن سکتا۔اللہ کے بے شمار احسانات ونوازشوں کے باوجود، اُس کی شکر گزاری کے حقیقی تقاضے ادا نہ کرنے کی وجہ سے ہی آج ہم طرح طرح کے عذاب ہائے الٰہی میں گھرتے چلے

جا رہے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اگر تم شکر گزاری کرو گے تو میں تمہیں اور زیادہ عطا کروں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو پھر یقیناً میرا عذاب بھی بہت سخت ہے۔''(سورہ ابراہیم آیت نمبر 7)

اس آیت مبارکہ میں عذاب کی جو وعید سنائی گئی ہے، اس کا تعلق آخرت کے عذاب سے تو ہے ہی مگر اس سے مراد دنیا میں نازل ہونے والا وہ عذاب ہلاکت بھی ہے جو اُس قوم پر نازل کیا جاتا ہے جن کی طرف رسولوں کو مبعوث کیا جاتا ہے۔ یہ عذاب الٰہی یکا یک نازل نہیں ہوا کرتا بلکہ اُس سے پہلے بطور تنبیہ، چھوٹے چھوٹے عذاب بھی نازل کیے جاتے ہیں۔ پاکستانی قوم کا آئے روز کسی نہ کسی آفت میں مبتلا ہوتے رہنا، یہاں پر کار رسالت کے جاری و ساری ہونے پر واضح دلالت کرتا ہے۔فاعتبروا یا اولی الابصار

(3) جب بھی کسی معاشرے میں کار رسالت کا آغاز کیا جاتا ہے تو معاشرتی تشکیل نو کے اس پیغام کے متعلق پہلے پہل، اُس معاشرے کا عمومی رویہ، بے اعتنائی و بے رُخی کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ اوّل تو اُس کا کوئی خاص نوٹس ہی نہیں لیا جاتا ہے اور اگر کوئی اس بارے میں کوئی ریمارکس دیتا بھی ہے تو وہ اُس پیغام کی یکسر نفی پر مبنی ہوتے ہیں۔

سورہ ابراہیم کی آیت نمبر 9 میں اس طرز عمل کو ''اپنے ہاتھوں کو اپنے مونہوں میں دبا لینے'' سے تشبیہ دی گئی ہے۔ جب کار رسالت سرانجام دینے والے اس صورتحال پر بددل ہونے کی بجائے اپنے پیغام و موقف کا اعادہ جاری رکھتے ہیں تو اُنہیں عام انسان (یعنی معاشرے کی مروّجہ نام نہاد حکمت و دانش سے تہی دامن اور سطحی سوچ رکھنے والے) قرار دے کر اپنے آباء واجداد کی ضد و مخالفت کرنے کا الزام بھی لگا دیا جاتا ہے۔ جب اُن کے اعلیٰ کردار و شائستہ ردّعمل کی بدولت، کردار کشی کی اس مہم کا بھی کوئی خاص فائدہ نہیں ہوتا تو پھر کار رسالت ادا کرنے والوں سے طرح طرح کے دلائل و براہین طلب کیے جاتے ہیں۔ اُن کی سچائی کی تصدیق کے لئے کچھ خرق عادت معجزات و کارنامے دکھانے کا مطالبہ بھی کیا جاتا ہے۔ ان دلائل، براہین، معجزات اور کارناموں کی فرمائش کی وجہ، اپنے اسلاف سے منسوب ایسی غیر معمولی باتیں ہوتی ہیں جو اُنہیں تبدیلی کے ان علمبرداروں میں بظاہر دکھائی نہیں دیتی ہیں۔

اس تمام منفی ردِّعمل اور نامساعد حالات میں کارِ رسالت کا فریضہ ادا کرنے والے نہ صرف صبر سے کام لیتے ہیں بلکہ توکل علی اللہ کی روش اختیار کرتے ہوئے، نتائج وعواقب کی پروا کیے بغیر اپنی مخلصانہ جدو جہد جاری رکھتے ہیں۔ اس ساری صورتحال و منظر نامے کو سورۂ ابراہیم کی آیات 9 تا 12 کے مطالعہ سے بآسانی سمجھا جاسکتا ہے۔

(4) معاشرتی تشکیلِ نو کے علمبردار جب تمام تر رکاوٹوں اور مخالفت کے باوجود، اپنا مشن جاری رکھتے ہیں اور اُن کی تحریک اپنی جڑیں پکڑتی رہتی ہے اور ظاہری طور پر اس کے اثرات بھی نظر آنا شروع ہو جاتے ہیں تو معاشرے پر قابض استحصالی طبقات حقیقی تشویش میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ درحقیقت معاشرتی تشکیلِ نو یا انقلاب کی تمنا، ایک طویل تاریخی عمل کا لازمی تقاضا ہوتی ہے لہٰذا نسبتاً دیر سے ہی سہی مگر اس کے لئے کی جانے والی محنت کا بالآخر رنگ لانا ایک فطری امر ہوتا ہے۔ جب معاشرے میں کئی مزید اطراف سے بھی تبدیلی کی آوازیں اٹھنا شروع ہو جاتی ہیں تو نظامِ کہنہ کے رکھوالے، تبدیلی کے حقیقی علمبرداروں کے ساتھ گاجر اور چھڑی کی بدنام زمانہ پالیسی اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اُنہیں اپنے مروّجہ سیاسی و معاشرتی نظام (آج کے دور میں ریاستی آئین) کے تحت اعلیٰ عہدوں کی پیشکش کے ساتھ ساتھ سنگین نتائج کی دھمکیاں بھی دی جاتی ہیں جن میں ملک بدری اور جان سے مار ڈالنے سمیت تمام آپشن کھلے رکھے جاتے ہیں۔ چونکہ ازروئے قرآن، رسولوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی نصرت و محافظت کا انتظام ہوتا ہے لہٰذا تمام حربوں کے باوجود اُن کے مخالفین، اُنہیں راستے سے ہٹانے میں ناکام رہتے ہیں۔ (آج کے دور میں یہ خصوصی نصرت و محافظت اور کامیابی، کس کے مقدر میں ہوگی، اس کا علم اللہ ہی کے پاس ہے، وہ جس پر چاہے گا، اپنا یہ فضل نازل کرتے ہوئے اسے بالفعل کامیابی کا شرف عظیم عطا کرے گا۔ ان حقائق کو مختصراً سورۂ ابراہیم میں اس طرح سے بیان کیا گیا ہے:

> ''اور کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا کہ ہم تمہیں ملک بدر کردیں گے یا پھر تمہیں ہماری ملت میں لوٹنا ہوگا (یعنی ہمارے نظامِ حیات کو تسلیم کرنا پڑے گا) تو اُس موقع پر اُن کے پروردگار نے اُن کی طرف وحی کی کہ ہم ان ظالموں کو ضرور ہلاک کرڈالیں

گے اور اُن کے بعد ہم تمہیں اس زمین میں بسائیں گے، یہ اعزاز اُن کے لئے ہوگا جو میرے سامنے کھڑے ہونے کا ڈر رکھیں گے اور میری وعید (یعنی میرے محاسبے یا میرے عذاب کی وعید) سے خوف کھاتے رہیں گے۔'' (سورہ ابراہیم 14-13)

آیات درج بالا میں کفار کی طرف سے رسولوں کو جو الٹی میٹم یا آفر دی گئی ہے، وہ درحقیقت وہی ہے جو آج کل اہل مغرب اور ان کے حاشیہ نشین مسلم حکمرانوں و دانشوروں کی طرف سے مروّجہ سیاسی نظام میں شمولیت کے لئے اُن اسلامی جماعتوں کو دی جاتی ہے جو نہ صرف یہ کہ نظام کا حصہ نہیں ہیں بلکہ زبان، قلم اور ہتھیار کے ذریعے اس نظامِ باطل کو للکار رہی ہیں۔

(5) وَ اسۡتَفۡتَحُوۡا وَ خَابَ کُلُّ جَبَّارٍ عَنِیۡدٍ (سورہ ابراہیم آیت 15)

''اور انہوں نے فیصلہ طلب کر لیا اور تمام جابر و عناد رکھنے والے نامراد ہو کر رہے''

جب دھونس، دھمکی، ایذا رسانی، کردار کشی اور ترغیب و تحریص کے تمام حربوں کے باوجود، کار رسالت ادا کرنے والے اپنے مشن پر مسلسل عمل پیرا رہتے ہیں اور اُن کی انقلابی تحریک کامیابی کی طرف بڑھتی نظر آتی ہے تو بالآخر وہ مرحلہ آجاتا ہے جسے آیت درج بالا میں ''استفتاح'' کا نام دیا گیا ہے۔ استفتاح کا مطلب ہے؛ فیصلہ طلب کرنا اور یہ فیصلہ کار رسالت کا فریضہ ادا کرنے والے اور اس کا انکار کرنے والے، دونوں ہی طلب کیا کرتے ہیں۔ کار رسالت ادا کرنے والے یہ فیصلہ صرف اللہ ربّ العزت سے طلب کرتے ہیں کیونکہ اُن کی جدو جہد صرف رضائے الٰہی کے لئے ہوتی ہے، اُن کا کامل توکل، اللہ پر ہوتا ہے اور اُن کے نزدیک فیصلہ کرنے کا اختیار بھی صرف اللہ ہی کو حاصل ہے۔

دوسری طرف نظام باطل کے پیروکار و محافظ، یہ فیصلہ اصلاً تو عوام الناس سے طلب کرتے ہیں تاہم اپنی نام نہاد دینداری کا بھرم ظاہر کرنے کے لئے خدا کو بھی اس میں شریک و گواہ بنا لیتے ہیں۔ (ملک کی ایک معروف سیاسی جماعت کی طرف سے، طالبان کا پاکستان یا قائداعظم کا پاکستان؟ نامی نام نہاد عوامی ریفرنڈم کا انعقاد، اسی استفتاح کی طرف ایک پیش رفت قرار دیا جاسکتا ہے)

درحقیقت یہ لوگ اپنے اوپر اللہ کی بے شمار نوازشات کی بناء پر اس زعم باطل میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ اللہ اُن کے تمام اعمال سے راضی ہے لہٰذا قدرت کی طرف سے بھی فیصلہ اُنہی

کے حق میں صادر ہوگا۔ آیت مذکورہ بالا میں، نظام باطل کے ان نمائندوں کے اصل کردار کی عکاسی کے لئے جبر وعناد کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جن پر بھی غور کیا جانا چاہیے۔ ان لوگوں کے جبر کا شکار عوام الناس تو ہوتے ہی ہیں تاہم اُن کے بغض وعناد کا خصوصی نشانہ، حق اور اہل حق ہوتے ہیں جن کا راستہ روکنے یا اُن کی زبان بندی کے لئے وہ کسی بھی حد تک جانے پر تیار ہو جاتے ہیں تا کہ اُن کے مفادات اور نظام باطل پر کوئی آنچ نہ آنے پائے۔ چونکہ ہر چیز کی کوئی نہ کوئی حد ہوتی ہے لہٰذا جب تمام حدیں پھلانگنے اور تمام حربے آزمانے کے باوجود یہ لوگ اہل حق کو اُن کے مشن سے ہٹانے میں ناکام ہو جاتے ہیں تو بالآخر فیصلہ عوام اور اللہ سے طلب کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اپنے پُر پیچ وجابرانہ نظام اور دولت وثروت کی وجہ سے وہ لوگ پُر اعتماد ہوتے ہیں کہ یہ فیصلہ اُنہی کے حق میں آئے گا درآں حالانکہ قدرت اور تاریخ کا فیصلہ اُن کے خلاف لکھا جا چکا ہوتا ہے۔

حضرت ابراہیم d کی دعا

سورۂ ابراہیم کی ایک اور اہم خصوصیت، اس کی آیات 35 تا 41 میں وارد، حضرت ابراہیم d کی وہ خوبصورت دعا ہے جو انہوں نے حضرت اسماعیل d کو مکہ کی وادیٔ غیر ذی زرع میں بساتے ہوئے مانگی تھی۔ اس طویل دعا کی دو باتیں (بیت اللہ کی طرف لوگوں کے میلان اور اہل مکہ کے لئے فراخی رزق کی دعائیں) تو ایسے قبول ہوئیں کہ اُن کی قبولیت کا اثر نہ صرف آج تک قائم ودائم ہے بلکہ اس میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حیرت انگیز اضافہ ہی دیکھنے میں آرہا ہے۔

اس دعا کے بغور مطالعہ سے کسی شہر، ملک یا قوم کی آبادکاری کا نہ صرف اصل مقصد معلوم ہوتا ہے بلکہ کسی معاشرے کی دائمی بقا وخوشحالی کا راز بھی منکشف ہوتا ہے۔ دنیا کے کسی بھی خطے میں لوگوں کی آبادکاری بلکہ اس کرۂ ارضی پر نوع انسانی کی آبادکاری کا اصل مقصد اس کائنات کے خالق ومالک کی عبدیت کے تقاضوں کو پورا کرنا ہے جسے قرآن حکیم میں مختلف دیگر ناموں سے مگر حضرت ابراہیم d کی اس دعا میں اِقامت صلوٰۃ سے موسوم کیا گیا ہے۔ اُن d کی اس دعا میں دوبار اِقامت نماز کا ذکر ہے جس سے نماز کی اہمیت کا اندازہ لگایا

جا سکتا ہے۔ اِقامت صلوٰۃ درحقیقت ایک ایسی بنیادی و مسلسل عبادت ہے جس سے نہ صرف خالق کی بندگی کو عملاً تسلیم کرنے کا اظہار ہوتا ہے بلکہ یہ اسلام کے پورے نظام زندگی کا احاطہ بھی کرتی ہے۔قرآن میں اہل ایمان کو تمکّن واقتدار ملنے پر اُن کی جو ذمہ داریاں بیان کی گئی ہیں، ان میں سرفہرست اقامت صلوۃ ہی ہے جس کی وجہ سے اس میں پورے دین کی اقامت کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے۔قرآن میں اقامت صلوۃ کے ساتھ ایتائے زکوٰۃ کا ذکر بھی جا بجا کیا گیا ہے جس کا مقصد معاشرے میں معاشی عدمِ توازن پیدا ہونے سے روکنا ہوتا ہے۔سورہ ابراہیم کی آیت 30 میں جب زوال پذیر معاشرے کا اصل مرض، اللہ کی ہمسری اختیار کرنا، قرار دیا گیا تو اُس سے اگلی ہی آیت 31 میں نوعِ انسانی کو اِقامت صلوٰۃ و اِنفاق فی سبیل اللہ کا حکم دے کر اس زوال سے بچنے کا آسان نسخہ بھی بتا دیا گیا۔کرہٗ زمین پر نوع انسانی کی آبادکاری کے اس اصل مقصد کو فراموش کر دینے کا نتیجہ ہی ہے کہ آج ہمارے لبرل وسیکولر سیاستدان اور بے دین دانشور، ریاستی و سیاسی اُمور میں دین اللہ کی شمولیت کو (نعوذ باللہ) معاشرے میں انتشار وفساد پیدا کرنے کی کوشش قرار دیتے ہیں۔

حضرت ابراہیم d نے سب سے پہلے مکۃ المکرّمہ کو امن والا شہر بنانے کی دعا مانگی تھی جو ایسی مستجاب ہوئی کہ یہ شہر ہمیشہ کے لئے دنیا کا سب سے زیادہ عافیت وامن والا شہر قرار پایا۔اس دعا سے دنیاوی زندگی میں امن وامان کی اہمیت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے مگر آج پاکستانی قوم، دین اللہ کے عدمِ نفاذ و ریاستی پالیسیوں کی وجہ سے اس نعمت سے محروم ہو چکی ہے۔ امن وامان کے اس فقدان کی وجہ سے ہماری معاشی حالت خراب سے خراب تر ہو رہی ہے جس کی وجہ سے مہنگائی، بے روزگاری اور خودکشیوں میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔

حضرت ابراہیم d نے اپنی دعا میں نہ صرف بتوں کی پرستش سے پناہ مانگی تھی بلکہ نوعِ انسانی کی اکثریت کی گمراہی کی وجہ بھی بتوں کی پرستش ہی کو قرار دیا تھا۔آج دنیا میں (ہندوستان کے سوا) پتھر کے بتوں کی پرستش تو ناپید ہو چکی ہے مگر شیطنت کے پیکر دانشوروں نے دیگر بے شمار نئے بت تراش کر لوگوں کو اُن کی پوجا پر لگا دیا ہے۔وطن پرستی، جمہوریت، مرد وزن کی مساوات، آزادیٔ اظہار رائے اور مادّہ پرستی وغیرہ دیگر بے شمار بت اس قدر ترتیب وحسن کے

ساتھ سجائے گئے ہیں کہ آج ہر شخص انہی کا دیوانہ بنا نظر آتا ہے۔

سرزمین عرب میں نبی کریم ﷺ کی بعثت

ہم جانتے ہیں کہ حضرت ابراہیم d کی اس دعا کے باوجود اہل مکہ نے رفتہ رفتہ اِقامت صلوٰۃ کی اصل غرض وغایت کو بھلا دیا، توحید کے مرکز، بیت اللہ کو شرک کے گڑھ میں تبدیل کر دیا اور آپس کے جنگ وجدال کی وجہ سے حرم مکہ اور حرمت والے مہینوں کی حرمت کو پامال کرنے میں بھی کوئی کسر نہ چھوڑی۔ آج کے پاکستانی معاشرے کی طرح عرب معاشرہ اس قدر تقسیم وانتشار اور باہمی جنگ وجدال کا شکار ہو چکا تھا کہ سورہ آل عمران کی آیت 103 کے مطابق عرب قوم اُس وقت، آگ کے ایک گڑھے کے کنارے پر پہنچ چکی تھی۔

جب سینکڑوں سال بعد، سرزمین عرب میں نبی کریم ﷺ کو مبعوث کیا گیا تو اُس وقت حضرت ابراہیم واسماعیل e کا اصل دین اور اس کی تعلیمات ناپید ہو چکی تھیں جو درحقیقت مسلسل تاریخی عمل کا ایک لازمی نتیجہ ہوتا ہے۔ جس طرح ایک شاندار عمارت بھی بالآخر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتی ہے، اُسی طرح کسی معاشرے میں قائم کیا گیا اسلامی نظام بھی نہ صرف بوسیدہ ہو جاتا ہے بلکہ اُس کی اصل شکل وصورت بھی لوگوں کے ذہنوں سے محو ہو جاتی ہے۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ نے دین اللہ کو دوبارہ، اُس کی اصل وقدیم حالت میں پیش کیا تو اکثر لوگوں کے لئے یہ بالکل اجنبی تھا اور اسے قبول کرنے والوں کی تعداد بہت محدود تھی۔ معاشرے پر ایسے سرمایہ دار و نام نہاد مذہبی گروہوں کی مضبوط گرفت قائم ہو چکی تھی جو عامۃ الناس کے استحصال کو اپنا جدی پشتی حق سمجھتے تھے۔ انہوں نے اپنے معاشرتی، مذہبی اور سیاسی نظام کا تانا بانا اس طرح سے بُن رکھا تھا کہ ہر شخص اس میں بری طرح سے جکڑ دیا گیا تھا۔ اگرچہ اس نظام باطل کی نفی کرنے اور اسے للکارنے والی شخصیت (رسول اللہ ﷺ) معاشرے کے اسی طبقے سے تعلق رکھتی تھی، پھر بھی آپ ﷺ اور صحابہ کرام j کو نہ صرف اپنے ہی اس طبقے اور بھائیوں کی طرف سے بے شمار مصائب ورکاوٹیں پیش آئیں بلکہ عام لوگوں کی بے رخی وبے پرواہی سے بھی پالا پڑا۔

چونکہ قدرتِ الٰہی کی طرف سے عرب معاشرے کی حتمی تشکیل نو کا فیصلہ ہو چکا تھا

لہٰذا تبدیلی کے راستے میں عملاً رکاوٹ بننے والوں کو بالآخر قدرت کے انتقام کا سامنا کرنا پڑا۔

انتقامِ قدرت کا قانون

انتقام قدرت کے اس نظام کا اگر ہم تاریخ کی روشنی میں جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ d سے قبل صرف سچے اہل ایمان کو بچا کر پوری کی پوری قوم تباہ و برباد کردی جاتی تھی۔ حضرت موسیٰ d کی رسالت کے مخاطب بنی اسرائیل اور آل فرعون، دونوں تھے مگر نہ تو پوری قوم فرعون کو غرق کیا گیا اور نہ ہی بنی اسرائیل کے تمام منکرین حق کو، بلکہ صرف اُن لوگوں کو ہلاک کیا گیا جو حق کی مخالفت میں عملاً سرگرم تھے جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ فرعون کے ساتھ اُس کا صرف وہ لشکر غرق ہوا تھا جو بنی اسرائیل کا تعاقب کر رہا تھا۔ اسی طرح قارون اور اس کے کارندوں کے سوا پوری قوم بنی اسرائیل نہ صرف محفوظ رہی بلکہ بہت سی نوازشات کی مستحق بھی ٹھہری حالانکہ اس میں سامری سمیت ہر طرح کے لوگ شامل تھے۔

یہی وہ وقت تھا جب اللہ کی طرف سے پہلی بار باضابطہ طور پر کفار کے خلاف قتال کا حکم دیا گیا جس کا مطلب یہ تھا کہ اَزَل سے جاری حق و باطل کے معرکوں میں اب اہل باطل کی سرکوبی کے لئے اہل حق کی جنگی صلاحیت کو بھی کام میں لایا جائے گا۔ قتال کے اس حکم کا اصل منشاء، حق کے دعویداروں کے ایمان کی جانچ و پرکھ ہے وگرنہ اسباب ظاہری کے لحاظ سے اہل حق، اہل کفر کے مقابلہ میں کبھی بھی ہم پلہ نہیں رہے بلکہ اُن کی تمام تر فتوحات نصرت الٰہی کی مرہون منت رہی ہیں۔ بنی اسرائیل نے پہلے پہل تو اس حکم کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا مگر حالات کے جبر کی وجہ سے بالآخر اس کی تعمیل کرنا پڑا یہاں تک اُن کے جہاد و قتال کی برکات سے حضرت طالوت، حضرت داوٗد d اور حضرت سلیمان d کا سنہری دور، اُن کے حصہ میں آیا۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ جب بنی اسرائیل نے جہاد و قتال سے دوبارہ راہ فرار اختیار کی تو اُنہیں مختلف اقوام کی غلامی کے عذاب میں بھی مبتلا ہونا پڑا۔

ہجرت مدینہ اور انقلابِ اسلامی کا صحیح طریقہ

نبی کریم ﷺ نے سرزمین عرب میں جو انقلاب برپا کیا، وہ بھی اگرچہ جہاد و قتال کی

بدولت ہی کامیابی کی منازل طے کر سکا تاہم ہجرت مدینہ سے پہلے آپ ﷺ کی تمام تر جدوجہد، ارضِ مصر میں حضرت موسیٰ d کی جدوجہد کے مماثل ہے جہاں قتال اور ہتھیار اٹھانے کی کوئی نظیر نہیں ملتی جبکہ ہجرت کے بعد، جنگوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ نظر آتا ہے۔

ہجرت مدینہ سے ہمیں تین بڑے سبق ملتے ہیں: اول یہ کہ، قتال کا سلسلہ شروع کرنے سے پہلے ایک مناسب مرکز اور مرکزیت کا قیام ضروری ہے۔ دوم یہ کہ، قتال اُس وقت اور اُسی علاقے میں کیا جائے گا جہاں حالات اس کے لئے موافق وسازگار ہوں گے اور سوم یہ کہ، ایک محدود اسلامی مرکز کا قیام تو محض دعوت وتبلیغ سے بھی ممکن ہے مگر ایک مضبوط ومؤثر اسلامی ریاست کے قیام، بقا اور توسیع کے لئے نظام باطل کے ساتھ تصادم وٹکراؤ ناگزیر ہے۔

دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ موجودہ دور میں ٹیکنالوجی کی حیرت انگیز ترقی کی وجہ سے ریاستی افواج اس قدر طاقتور ہو چکی ہیں کہ کسی ریاست کے خلاف مسلح جہاد تقریباً ناممکن بن چکا ہے۔ اگرچہ شام، عراق اور افغانستان وغیرہ میں ریاست کے خلاف مسلح جدوجہد جاری ہے تاہم وہاں لوگوں کا خون پانی کی طرح بہہ رہا ہے جبکہ حقیقی اسلامی انقلاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کی خاطر لوگوں کا خون کم سے کم بہایا جاتا ہے۔ جب کسی معاشرے میں خون کی ندیاں بہانے کے بعد انقلاب آتا ہے تو اُس کے قرار وثبات اور توسیع کے امکانات بہت کم ہو جاتے ہیں۔ مزید برآں جب کوئی ملک خانہ جنگی کا شکار ہوتا ہے تو وہاں بیرونی سامراجی طاقتوں کو مداخلت کا موقع بھی مل جاتا ہے جو وہاں اپنی مرضی کا منظر نامہ تشکیل دے کر انقلاب یا پھر اس کے مقاصد کو ہی ہائی جیک کر لیتی ہیں اور نتیجہ بالعموم آسمان سے گرا، کھجور میں اٹکا والا ہی برآمد ہوا کرتا ہے۔

ہجرت مدینہ کے تناظر میں یہ بات بھی ہمارے سامنے آ چکی ہے کہ محض دعوت وتبلیغ کے ذریعے کسی خطے میں جزوی انقلاب یا ایک محدود اسلامی مرکز کا قیام تو ممکن ہو سکتا ہے مگر ایک ایسے حقیقی اسلامی انقلاب کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا جس کے اثرات عالمگیر سطح پر مرتب ہوں اور جو نام نہاد انٹرنیشنل لاء کی صورت میں دنیا پر مسلط، موجودہ عالمی طاغوتی نظام کے خاتمہ کی طرف پیش رفت کر سکے۔ یہی حقیقت اسلامی انقلاب کی داعی اُن سیاسی جماعتوں کو بھی سمجھ

لینی چاہیے کہ مروّجہ جمہوری عمل کے ذریعے خدا خدا کر کے کامیابی حاصل کر لینے والی اسلامی جماعت کو عالمی سامراج کے کارندے، اُس وقت تک اقتدار منتقل نہیں ہونے دیتے جب تک کہ وہ عالمی سطح پر مروّج انٹرنیشنل لاء کو تسلیم کرنے کی یقین دہانی نہیں کروا دیتے جیسا کہ فلسطین، تیونس اور مصر وغیرہ میں ایسا ہو چکا ہے۔2002ء کے انتخابات کے نتیجہ میں صوبہ خیبر پختون خواہ میں بھی ایم ایم اے کو اسی شرط پر اقتدار منتقل کیا گیا تھا کہ وہ مرکزی حکومت کے لئے کسی پریشانی کا باعث نہیں بنے گی اور ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنا یہ وعدہ آخری دم تک نبھا کر حق وفاداری ادا کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔

اگر ہم قرآن حکیم اور سیرت النبیﷺ کی روشنی میں نوعِ انسانی کی طرف مبعوث ہونے والے رسولوں کے واقعات کا بغور مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ اُن میں سے کسی ایک نے بھی اپنے دور کے مروّجہ سیاسی نظام میں کوئی عہدہ قبول نہ کیا درآں حالانکہ اُنہیں اس کی متعدد بار پیشکش کی جاتی رہی (ماسوائے حضرت یوسف d کے کہ انھیں ایک فیصلہ کن موثر حیثیت مل گئی تھی)۔ چونکہ رسولوں کی جدوجہد بنیادی طور پر اپنے دور کے مروّجہ بدترین نظام کے خاتمہ کے لئے ہی ہوتی تھی لہٰذا کوئی بھی عہدہ قبول کرنے کا مطلب، مروّجہ نظام کو تسلیم کرنا، اسے تقویت عطا کرنا اور اپنی جدوجہد سے پیچھے ہٹنے کے مترادف قرار پاتا۔

جبارین کا طرزِ عمل اور اُن کا انجامِ بد

قرآن حکیم کی بے شمار آیات و رسولوں کے واقعات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جب کسی قوم میں کار رسالت سرانجام دیا جا رہا ہوتا ہے تو اُس قوم کے جباروں پر حتمی عذاب کے نزول سے قبل بطور تنبیہ متعدد چھوٹے عذاب نازل کیے جاتے ہیں تا کہ اُسے اصلاحِ احوال کا موقع فراہم کیا جا سکے۔ چونکہ ایسے عذاب ہائے الٰہی کا نشانہ بالعموم عامۃ الناس ہی بنتے ہیں اور جبارین کا طبقہ زیادہ تر محفوظ رہتا ہے، لہٰذا یہ طبقہ ان سے کوئی سبق حاصل کرنے کی بجائے دن بدن نہ صرف تکبر و غرور میں بڑھتا چلا جاتا ہے بلکہ حق کے خلاف اُس کی مخاصمت اور اہل حق کے خلاف ظلم و جور میں بھی مسلسل اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

اگر ہم موجودہ عالمی منظر نامے کا جائزہ لیں تو اس میں امریکی ریاست کا کردار دنیا کی سب سے جابر و متکبر قوت کے طور پر سامنے آتا ہے جبکہ پاکستانی ریاست کو اُس کی سب سے بڑی

گماشتہ کہا جاسکتا ہے۔ دونوں ریاستوں کے رہنماؤں کا مائنڈ سیٹ تقریباً ایک جیسا ہے کیونکہ ان دونوں کو اسلام کے سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظام سے بے انتہا نفرت ہے اور وہ اسے اپنے اقتدار و غلبے کے لئے سب سے بڑا خطرہ بھی سمجھتے ہیں۔ بہت سے اختلافات کے باوجود، حال اور مستقبل کے بارے میں اُن کے ایجنڈے میں بہت یکسانیت ہے۔

اگرچہ دونوں ممالک کی معاشی حالت روز بروز بگڑتی چلی جارہی ہے اور قرضوں کے بوجھ میں بھی بے انتہا اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے مگر یہ دونوں ہی ممالک ایک طویل عرصہ سے اپنی اپنی عسکری قوت اور اپنی اپنی بساط واہلیت کے مطابق اپنے اپنے زیردستوں کی جبری و جذباتی بلیک میلنگ میں مصروف ہیں (اس حقیقت کو پاکستان میں جاری سیاسی مخاصمت کے تناظر میں بہتر طور پر سمجھا جاسکتا ہے)۔ دونوں ریاستیں دنیا کے ہر ذی ہوش اور امن پسند انسان کے لئے مستقل دردسر بن چکی ہیں کیونکہ جب بھی دنیا میں امن اور اختلافات کے خاتمے کی کوئی کوشش ہوتی ہے تو یہ اپنی سازشی پالیسیوں کے ذریعے اسے ناکام بنا دیتی ہیں تاکہ اُن کی چودھراہٹ میں کچھ کمی واقع نہ ہوسکے۔

کہتے ہیں کہ اللہ کے ہاں دیر ہے مگر اندھیر نہیں لہٰذا دونوں ریاستوں کی اس دہشت گردی کا خاتمہ اب زیادہ دور نہیں کیونکہ قرآن پاک کی اصطلاح میں ان دونوں کا گھیرا دن بدن تنگ ہوتا جارہا ہے۔ اپنے نام نہاد وفرضی دشمنوں کے خلاف جنگوں کے لامتناہی سلسلوں، جہادی عناصر کی زبردست مزاحمت، قرضوں کے انبار، اپنے اپنے نام نہاد اتحادیوں کی ڈبل گیم، دن بدن بے نقاب ہوتی ہوئی اُن کی اصلیت اور اس کے نتیجہ میں جنم لیتے ہوئے عوامی غیظ وغضب کے طوفان اور بالآخر قدرتِ الٰہی کی طرف سے دی گئی مہلت کے خاتمہ کے نتیجہ میں اُن کا انجام عنقریب سامنے نظر آجائے گا۔ نائن الیون کے بعد دونوں ریاستوں کی طرف سے بڑے پیمانے پر کی جانے والی ریاستی دہشت گردی کی وجہ سے دونوں ہی ممالک، مختلف اقسام کے عذابِ ہائے الٰہی کی لپیٹ میں آچکے ہیں جن میں قدرتی آفات اور معاشی بحرانوں کا بطورِ خاص نام لیا جاسکتا ہے۔ قرآن حکیم میں سب سے زیادہ بار بیان کیے گئے قصہ فرعون وموسیٰ d کی روشنی میں ہم قوی امید رکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے قارون کی طرح، پاکستان کے قارون صفت اور فرعون مصر کی

طرح، امریکا کے فرعون صفت طبقات جلد ہی عبرت ناک انجام کو پہنچیں گے۔ قارون کے واقعہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون سے بھی پہلے قارون کو لوگوں کے لئے مقامِ عبرت بنانے کا مقصد بنی اسرائیل کو فرعون کے خلاف خروج پر آمادہ کرنا تھا اور غالباً اب بھی ایسا ہی ہونے جا رہا ہے۔ پاکستان کے ایک سابق آمر (پرویز مشرف) کے انجام سے اُس کے جانشین کچھ محتاط تو ضرور ہوئے ہیں مگر اپنی بداعمالیوں سے تائب ہرگز نہیں ہوئے۔ آئندہ وہ اپنی بقا و حفاظت کے لئے جو تدبیریں اختیار کریں گے، ان شاء اللہ وہی الٹی ہو کر جلد ہی اُن کے گلے میں پڑی نظر آئیں گی۔

دین اللہ کے قیام و غلبے کی اہم ترین رکاوٹوں کے خاتمہ کے بعد دین اللہ کی داعی و پرچارک قوتوں کو کارِ رسالت کے بنیادی مقصد یعنی دین اللہ کے عملی قیام و غلبے کے لیے اپنوں اور غیروں کی طرف سے دیگر بے شمار رُکاوٹوں و مزاحمت کا سامنا بھی کرنا پڑے گا جس کے لئے بھی ذہنی تیاری ابھی سے کر لینی چاہیے۔

بیت اللہ میں واقع مقامِ ابراہیم d اور پاکستان

سورۂ ابراہیم کے مضامین اور پاکستان کے موجودہ حالات میں مماثلت کا بیان تو کسی قدر تفصیل کے ساتھ کیا جا ہی چکا ہے تاہم ارضِ پاکستان کو بیت اللہ الحرام میں واقع مقام ابراہیم کے ساتھ بھی ایک خصوصی نسبت حاصل ہے۔ بیت اللہ شریف کے دروازے والی دیوار جو حجرِ اسود سے شروع ہو کر رکن عراقی تک جاتی ہے، ملتزم کہلاتی ہے اور احادیث میں اس کی بہت فضیلت بھی بیان کی گئی ہے، اس دیوار سے سیدھی لائنیں کھینچنے سے جو علاقے بالکل اس کی سیدھ میں آتے ہیں، اُن میں مدینہ منورہ کے علاوہ پاکستان اور افغانستان کے علاقے بھی شامل ہیں۔ اسی دیوارِ ملتزم کے سامنے مقامِ ابراہیم بھی ہے جس کا تذکرہ قرآن حکیم میں بھی بطور خاص کیا گیا ہے اور جس کی اہمیت و فضیلت بھی مسلّمہ ہے۔ اس طرح بابِ کعبۃ اللہ، دیوارِ ملتزم اور مقامِ ابراہیم، تینوں ہی بیک وقت ارضِ پاکستان کے بالکل سامنے آ جاتے ہیں اور اس نسبتِ خصوصی کو یقیناً اہلِ پاکستان کی خوش بختی کی علامت ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔

مزید برآں مدینۃ النبی ﷺ اور ارضِ پاکستان کے مابین جو نسبتیں ہے، اُن کا بھی ہر صاحب علم کو خوب ادراک ہے۔ جاہلیت قدیمہ کے خاتمہ سے قبل اسلام کے نام اور نظام اسلامی

کے قیام کے لئے قائم ہونے والی پہلی ریاست مدینہ منورہ تھی تو موجودہ جاہلیت جدیدہ کے دور میں اسلام کے نام پر نظام اسلامی کے قیام کی خاطر جو ریاست قائم کی گئی ہے، وہ دنیا میں صرف اور صرف پاکستان ہے۔ اسلام کی تاریخ میں ہجرت مدینہ بے حد اہمیت رکھتی ہے تو 1947ء میں ارضِ پاکستان کی طرف لاکھوں لوگوں کی ہجرت کو بھی دور حاضر کی تاریخ میں بہت اہمیت حاصل ہے اور ان دونوں ہجرتوں کا بنیادی سبب بھی دین اسلام سے تعلق ہی تھا۔ جس طرح اہل مکہ اور اہل مدینہ کی مشترکہ جدوجہد کے نتیجہ میں سرزمین عرب میں ایک حقیقی و کامیاب انقلاب برپا ہوسکا تھا، اُسی طرح ہم قوی اُمید رکھتے ہیں کہ اہل پاکستان و اہل افغانستان کی مشترکہ جدوجہد کے نتیجہ میں ایک ایسا اِسلامی انقلاب ضرور برپا ہوگا جس کا سچے اہل ایمان شدت سے انتظار کر رہے ہیں۔ اس حوالے سے اہل افغانستان کی جدوجہد وقربانیاں تو ہمارے لئے مینارۂ نور ہیں مگر ہم پاکستانی بحیثیت قوم (ہمارے حکمران مقتدر طبقات) اس وقت وہی کردار ادا کر رہے ہیں جو مشرکین مکہ، اہل ایمان کے خلاف ادا کر رہے تھے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس بھیانک کردار سے تائب ہونے اور بطورِ مسلمان و بطورِ پاکستانی کے، ہمارے اوپر عائد ہونے والی عمومی وخصوصی ذمہ داریوں کا شعور اور ان کی کماحقہ بجا آوری کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یاربّ العالمین

توہین رسالت کے بارے میں مغرب کے دوہرے معیارات

تصویر کا یہ رخ بھی دیکھئے

امریکہ نے 1993ء میں اپنے صدر کا کارٹون بنانے والی عراقی خاتون کو اس کے گھر والوں سمیت موت کے گھاٹ اتار دیا تھا، جس نے بغداد کے الرشید ہوٹل کے سامنے زمین پر جارج بش اوّل کا کارٹون بنایا اور ہوٹل میں آنے والا ہر فرد اس کارٹون پر پاؤں رکھ کر گزرتا تھا۔ امریکہ سے اپنے صدر کی یہ توہین برداشت نہ ہوئی اور اس نے کارٹون بنانے والی خاتون لیلیٰ العطار کو صرف یہ کارٹون بنانے کی پاداش میں اس کے گھر میں رات کے وقت تین میزائلوں سے نشانہ بنا کر تمام اہل خانہ سمیت شہید کر دیا اور گھر کو کھنڈر بنا دیا۔ جبکہ یہاں تو کسی معمولی آدمی کی کوئی ایک تصویر نہیں بنائی گئی بلکہ سرور کائنات جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی توہین کرنے کے لئے امریکی عیسائیوں نے ایک پوری ویڈیو فلم بنائی ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو دنیوی قوانین کے لحاظ سے بھی پورا حق حاصل ہے کہ وہ ڈنمارک کے گستاخوں، گستاخ امریکی پادری جونز، اس کے قبطی عیسائی ساتھیوں، امریکی حکومت کے اہل کاروں اور اس ویڈیو کا دفاع کرنے والے تمام بدبختوں کو عبرتناک موت سے دوچار کریں اور اس طرح اپنے پیارے نبی محمد ﷺ کا دفاع کریں تا کہ آئندہ کوئی مسلمانوں کو کمزور سمجھتے ہوئے ان کے رسول ﷺ کی حرمت کے ساتھ مذاق کرنے کی جسارت نہ کر سکے۔

(بشکریہ سہ ماہی جریدہ دیندار کراچی اکتوبر-دسمبر 2012)

حکمت بالغہ (ستمبر 2012ء) کی خصوصی اشاعت

یاجوج ماجوج نمبر

پر اہل علم اور رسائل وجرائد کی آراء وتاثرات

1۔ مولانا الطاف الرحمٰن بنوی، جامعہ امداد العلوم جامع مسجد درویش، پشاور صدر

آپ کا جاری کردہ ماہنامہ ''حکمت بالغہ'' بلا ناغہ ہر مہینے ملتا رہتا ہے اور میں اس کے مطالعے کیلئے لازماً وقت نکال لیتا ہوں۔ تازہ شمارہ ''یاجوج ماجوج'' پر ایک خصوصی نمبر کی شکل میں شائع ہوا ہے اس لئے اس کا بالخصوص تفصیلی مطالعہ کیا۔ یہ عنوان انتہائی دلچسپ بھی ہے اور بہت اہم بھی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ بہت پیچیدہ اور دورِ حاضر میں تطبیق کے لحاظ سے خاصا مشکل ترین بھی ہے۔ میں خود جب بھی فتن وملاحم کے ابواب اپنے طالب علموں کو پڑھاتا ہوں تو پہلے ہی سے اُن کو بتا دیتا ہوں کہ ان ابواب کی تطبیق میں اجمال سے کام لینا بہتر ہے۔ تفصیل میں ظن وتخمین سے گفتگو کی جاسکتی ہے حتمی اور قطعی طور پر کچھ کہنے کی مجال ہرگز نہیں ہے سو اِجمال پر اکتفا اَحوط ہے۔ یاجوج ماجوج کے بارے میں سلف وخلف کی آراء مختلف ہیں جن میں کسی رائے کو قطعی طور پر صحیح اور دوسری آراء کو غلط کہنا آسان کام ہرگز نہیں۔ آپ نے بڑی ہمت اور جرأت سے کام لیا ہے جس کے لئے آپ داد وشکریے کے مستحق ضرور ہیں تاہم اس میں بحث کی کافی گنجائش موجود ہے لیکن ایسی ابحاث سے اصل مسئلے پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے مثلاً دجال کون ہے؟ کہاں سے آئے گا؟ اس میں متعدد آراء ہیں لیکن ہر صاحب بصیرت آدمی جانتا ہے کہ ہمارا یہی

دورِ دجالیت کا گڑھ ہے اور دجالی خصائل سے آج کی پوری دنیا معمور ہے اور ہم اس فتنے کے عین زد میں ہیں۔ اسی طرح سے 'یاجوج ماجوج' بھی ایسا ہی ایک فتنہ ہے حدیثی معلومات کی رُو سے وہ حد درجہ مادیت زدہ مخلوق ہوگی جو مادی ترقی کے گھمنڈ یا انتہائی حماقت کی بدولت اللہ تعالیٰ سے بھی آمادۂ پیکار ہوں گے ان سے بچنے کا بھی یہی ایک طریقہ ہوگا کہ انسان قرآنی و حدیثی افکار و اعمال اور روحانی اقدار سے متمسّک ہو۔

الحاصل ایسے مسائل میں علمی تحقیق ہمیشہ سے ہوتی آ رہی ہے اور آپ جیسے اہل ذوق لوگ اس قافلے کو آگے بڑھانے میں مسابقت کا عمل جاری رکھیں گے اور اس بہانے سے اہل ایمان کو اس خطرے سے بچنے کی اہمیت کی طرف متوجہ کرتے رہے گے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو اس قسم کی مزید توفیقات سے نوازتے رہیں۔ آمین

2۔ ابوالاحتشام امیر حمزہ طور صاحب

نائب ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہل حدیث پنجاب، گوجرانوالہ

ماہنامہ حکمت بالغہ کے دو شمارے دجال نمبر اور یاجوج ماجوج نمبر مطالعہ کی نظر سے گزرے جن کو پڑھ کر بہت خوشی ہوئی اور آپ جیسے بھائی کی محنت اور کاوش کو دیکھ کر دل کی اتھاہ گہرائیوں سے آپ حضرات کے لئے بڑی بڑی قیمتی دعائیں نکلیں۔ یقیناً اس دورِ فتن میں امت مسلمہ کو اس قسم کے آنے والے فتنوں سے آگاہی دینا ایک بڑی عبادت سے کم نہیں ہے اور باعث سعادت اور باعث برکت ہے۔ آپ کی اس عظیم محنت کو جتنا بھی سراہا جائے وہ کم ہے۔ مزید اس قسم کے فتنوں کے بارے میں آئندہ کے شماروں میں نمبر شائع کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ مثلاً

(1) فتنہ انکار حدیث   (ii) فتنہ قادیانیت و مرزائیت

(iii) فتنہ اہل قرآن   (iv) فتنہ پرویزئیت

(v) عظمت صحابہ و اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

امید ہے کہ یہ میری تجاویز آپ کو اچھی لگی ہوں گی اور یقیناً آپ ان کو عملی شکل دیں گے۔

ہفت روزہ ندائے خلافت لاہور (اکتوبر 2012ء شمارہ 39)

تبصرہ نگار: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

انجینئر مختار فاروقی کی ادارت میں شائع ہونے والا یہ ماہنامہ جدید تعلیم یافتہ افراد کے لئے اعلیٰ سطح پر قرآنی تعلیمات پیش کرتا ہے۔اس کی پابندی وقت پر باقاعدہ اشاعت بھی اس کا امتیاز ہے۔مختلف اہم موضوعات پر اس جریدہ کے کئی خاص نمبر شائع ہو چکے ہیں۔زیر تبصرہ یہ شمارہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

قرآن مجید میں دو جگہ یاجوج ماجوج کا ذکر آیا ہے۔ایک سورۃ الکہف میں اور دوسرا سورۃ الانبیاء میں۔مفسرین کرام نے اپنے اپنے عہدے کے ماحول، حالات اور علمی سطح کے مطابق ان آیات کی توضیح کی ہے۔قرآن کی شہادت کے مطابق یاجوج ماجوج ابلیسیت کے حامل ایک شر پسند ظالم اور جاہل قوم ہے۔اس کا وجود نسل انسانی کے لئے خطرے کی علامت ہے۔اس گروہ کو پہچان کر اس سے بچاؤ کی فکر کرنا ضروری ہے۔

یہ شمارہ دو تعارفی تحریروں کے علاوہ تین ابواب پر مشتمل ہے جن کے عنوان حسب ذیل ہیں:

باب 1: یاجوج ماجوج کے تذکرے

باب 2: روئے ارضی پر نسل انسانی کا پھیلاؤ۔

باب 3: چند منہ بولتے حقائق ____ چند ضمنی باتیں۔

پہلے باب میں قرآنِ مجید اور احادیث میں یاجوج ماجوج کا تذکرہ ہے اس کے علاوہ یاجوج ماجوج کے متعلق ہندو روایات اور یہود و نصاریٰ کا نقطہ نظر بیان کیا گیا ہے پھر معروف علمائے دین اسلام میں سے مولانا ابوالکلام آزاد، مناظر احسن گیلانی اور محمد انیس الرحمٰن کی کتابوں میں سے موضوع سے متعلق اقتباسات دیئے گئے ہیں۔دوسرے باب میں انسانی تاریخ کے مختلف ادوار کے ساتھ ساتھ یاجوج ماجوج کا تذکرہ ہے۔اسرائیلی ریاست کا قیام اور یاجوج ماجوج کے ذکر کے بعد یاجوج ماجوج کی تباہی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔تیسرے باب میں سائبیریا سے نکلنے والے وحشی قبائل (یاجوج ماجوج) کا ذکر ہے جو آج اپنے آپ کو متمدن سمجھتے ہیں اور اپنی بے حیا تہذیب کو اقوامِ عالم میں رائج دیکھنا چاہتے ہیں۔

حاصل کلام کے طور پر بتایا گیا ہے کہ اب یاجوج ماجوج کی نام نہاد تہذیب رو بہ زوال ہونے کو ہے اور رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق پورے عالم میں نظامِ خلافت رائج ہونے والا ہے اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو عالمی حالات اسی سمت کو رواں دواں ہیں۔ کتاب میں چھوٹی موٹی اغلاط موجود ہیں۔ اگلے ایڈیشن میں اغلاط کی اصلاح ضروری ہے۔

خبرنامہ دیس پردیس، البلاغ فاؤنڈیشن، لاہور

ماہنامہ حکمت بالغہ کا ستمبر 2012ء کا شمارہ یاجوج ماجوج نمبر۔ یہ انتہائی ہمہ جہت (Multy Dimentional) موضوع ہے اور اس شمارہ کو دیکھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں اس موضوع کے نہ صرف ہر ممکنہ پہلو کا احاطہ کیا گیا ہے بلکہ اس کے پس منظر اور پیش نظر کو بھی اجاگر کیا گیا ہے اور تحقیقات کو تین ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

پہلے باب میں یاجوج ماجوج کے تذکروں کو اُجاگر کیا گیا ہے۔ اس میں یہ عنوانات شامل ہیں۔ یاجوج ماجوج کا تذکرہ قرآنِ مجید میں، احادیث میں، ہندو روایات میں، مسیحیوں کی نظر میں اور یہودیوں کی نظر میں۔ مختلف نکتہ ہائے نظر کا تجزیہ۔ پھر آخر میں مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا مناظر احسن گیلانی اور محمد انیس الرحمٰن کی تحریروں سے اقتباسات۔

دوسرے باب میں یہ عنوانات شامل ہیں۔ زمین پر نسل انسانی کا پھیلاؤ۔ 600 قبل مسیح کا متمدن علاقہ۔ ذوالقرنین کی مہمات اور سید ذوالقرنین۔ حضرت محمد ﷺ کی تشریف آوری (تقریباً 600 بعد مسیح)۔ بے خدا (دہریوں کے) فلسفیانہ نظریات کا عروج۔ بنی اسرائیل اور یاجوج ماجوج۔ حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات کی تکمیل اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو سد ذوالقرنین میں سوراخ کی خفیہ اطلاع۔ ریاست اسرائیل کا قیام اور یاجوج ماجوج۔ اور یاجوج ماجوج کی تباہی۔

تیسرے باب میں چند ضمنی حقائق پر بات کر کے موجودہ حالات میں ہماری ذمہ داریوں پر روشنی ڈالی ہے۔ پھر ان تینوں ابواب کا حاصل کلام دیا گیا ہے۔

152 صفحات کے اس شمارے کی قیمت -/120 روپے ہے جو بہت مناسب ہے۔

ماہنامہ القاسم، خالق آباد، نوشہرہ

زیرِ سرپرستی: مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب مدظلہ

زیرِنظر جریدہ کے خصوصی نمبر ’جو‘ ’یاجوج ماجوج‘‘ سے متعلق ہے‘ میں قرآن وحدیث کی روشنی میں مسلمانوں اور دیگر مذاہب کے مذہبی آثار کی روشنی میں ہندوؤں‘ عیسائیوں اور یہودیوں کے نقطہ ہائے نظر پیش کیے گئے ہیں اور بتایا گیا ہے کہ یاجوج ماجوج کا تعلق بنی اسرائیل کے ان قبائل سے ہے جو شیطانی قوتوں کی مطیع ومعاون ہیں جس کا مقصد بنی اسرائیلی ریاست کا قیام ہے مگر اسلامی ریاست کے قیام نے ان کے منصوبوں کو خاک میں ملادیا اور یہ شیطانی قوتیں تب سے اپنے منصوبوں کو بروئے کار لانے میں کوشاں ہیں۔ یہ خصوصی نمبر بہت محنت وریاضت اور مطالعہ کے ساتھ تیار ہوا ہے جس کے لئے مدیر اور اُن کا عملہ داد کا مستحق ہے، تاہم حاصل کلام میں اُن کی اس رائے سے اتفاق مشکل ہے کہ عالمی نظامِ خلافت کا سرچشمہ پاکستان ہوگا۔ ہم اسے خیالِ خام اور خوش فہمی نہیں کہتے تاہم جس ملک کا نظام مکمل طور پر مشرکانہ ہو اور جو فرقوں اور قومیتوں‘ زبانوں اور ذاتوں میں بٹا ہوا ہو اور ہر فرقے کے سینکڑوں کی تعداد میں الٰہ ہوں، جس کی معاشی حالت دگرگوں ہو اور مزید دوصدیوں تک مغربی ممالک کی معاشی غلامی سے آزادی کی کوئی صورت نظر نہ آتی ہو، جب کہ عسکری بالادستی کی یہی دو بنیادیں ہیں نظریاتی وحدت وہم آہنگی اور معاشی ترقی۔ وہاں اسلامی نشاۃِ ثانیہ یا عالمی نظامِ خلافت کا خواب دیکھنا اور دکھانا ایک بہت بڑی حوصلے‘ عزم اور اللہ کی ذات پر کمال اعتماد کا نظریہ اعتقاد ہے۔ خدا کرے کہ واقعتاً اور عملاً بھی یہ ظہور پذیر ہو۔

ماہنامہ المنبر، فیصل آباد

مدیرِ اعلیٰ: ڈاکٹر زاہد اشرف

ماہنامہ ’حکمت بالغہ‘ کی خصوصی اشاعت ’’یاجوج ماجوج نمبر‘‘ میں یاجوج ماجوج کے متعلق قرآنِ مجید اور احادیث مبارکہ کے حوالے سے معلومات کے ساتھ ساتھ عیسائیت اور یہودیت کے نقطہ ہائے نظر بھی پیش کیے ہیں۔ علاوہ ازیں مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا مناظر احسن گیلانی اور محمد انیس الرحمٰن جیسے مشاہیر، اہل علم اور اہل قلم کے تحقیقی مضامین بھی

شامل اشاعت ہیں۔

خود انجینئر مختار فاروقی صاحب کا عملی حقائق کا سراغ رساں قلم بھی پورے جوبن پر ہے۔ یاجوج ماجوج کے متعلق اس قدر تحقیقی مواد ایک ہی جگہ جس خوبی سے پیش کیا گیا ہے اس سے پہلے اتنا تفصیلی مواد کسی کتاب میں نظر سے نہیں گزرا۔ انجینئر مختار فاروقی صاحب وقتاً فوقتاً خصوصی اشاعتوں کا اہتمام کرتے رہتے ہیں مگر موجودہ اشاعت اپنی نوعیت کی منفرد کاوش ہے۔

تحقیق کا ذوق رکھنے والے اور خصوصاً مقالہ جات لکھنے والے طلبہ کو ضرور انجینئر مختار فاروقی صاحب جیسے لوگوں کو جانب رجوع کرنا چاہئے۔ ہمارا یقین ہے کہ جو بھی ان کے پاس جائے گا، حظ وافر پائے گا۔ ہمیں ایسے نابغہ روزگار لوگوں کی قدر بھی کرنی چاہئے اور ان کی تحقیقات سے استفادہ بھی۔ اللہ تعالیٰ فاروقی صاحب کو تادیر سلامت رکھے اور ان کا قلم یونہی تازہ و رواں رہے۔ آمین

آئینۂ

حکمت بالغہ

2012ء

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ماہنامہ حکمت بالغہ کو اس شمارے کی اشاعت کے ساتھ چھ سال مکمل ہورہے ہیں۔ جنوری 2007ء میں ماہنامہ حکمت بالغہ کا پہلا شمارہ شائع ہوا تھا اس کے بعد سے اب تک اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل وکرم اور قارئین کرام کی دعاؤں اور حوصلہ افزائی سے باقاعدگی کے ساتھ شائع ہورہا ہے۔

ہر سال کی طرح اس سال کے تمام شماروں کے مضامین کی فہرست کو بھی یکجا کر کے ہدیۂ قارئین کررہے ہیں تاکہ تمام مضامین کو ایک نگاہ میں دیکھنے اور کسی مضمون کی تلاش میں آسانی ہوسکے۔

مشمولات جنوری 2012ء

1۔ قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات 3
2۔ حرفِ آرزو انجینئر مختار فاروقی 5
3۔ قرآن مجید کی پانچ بنیادی
اصطلاحات الصلوۃ (5) انجینئر مختار فاروقی 8
4۔ تقرب الٰہی کے مدارج وذرائع انجینئر مختار فاروقی 26
5۔ آج ہم کہاں کھڑے ہیں، یہاں کیسے پہنچے؟ عبدالرشید ارشد 48
6۔ مدیر کے نام محمد رشید ملتان 59

مشمولات فروری 2012ء

1۔ قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات 3
2۔ حرفِ آرزو انجینئر مختار فاروقی 6
3۔ نفاذ شریعت کے رہنما اصولوں کے حوالے
سے 55 علماء کرام کے متفقہ 15 نکات 10
4۔ قرآن پاک کی پانچ نبیادی اصطلاحات
الصلوۃ (5) (حصہ دوم) انجینئر مختار فاروقی 19
5۔ صہیونیت 2000 کے بعد انجینئر مختار فاروقی 33
6۔ یاجوج وماجوج کی یلغار انجینئر مختار فاروقی 45
7۔ تبصرہ وتعارف کتب 64

مشمولات مارچ 2012ء

1۔ قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات 3
2۔ حرفِ آرزو انجینئر مختار فاروقی 5
3۔ سورۃ الرحمٰن اور سورۃ الواقعہ کی روشنی میں
محاسبہ اُخروی کے مراحل انجینئر مختار فاروقی 7
4۔ جمہوریت سے آگے منزل ہے خلافت محمد فہیم 33
5۔ پہلی اور دوسری عالمگیر جنگ میں یہود کا کردار ترجمہ تلخیص
اور جرمن قوم کی یہودیوں سے نفرت کا پس منظر؟ محمد یونس جنجوعہ 44

6۔ عذاب یافتہ قومیں،فرعونوں کے اہرام — انجینئر مختار فاروقی — 50

مشمولات — اپریل 2012ء

1۔ قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات — 3

2۔ حرفِ آرزو — انجینئر مختار فاروقی — 5

3۔ علامات قیامت،خروج النار من قعر عدن — انجینئر مختار فاروقی — 11

4۔ رؤیت ہلال حقائق اور مغالطے — ساجد محمود اسلم — 22

5۔ صہیونیت کا عالمی سلطنت کا خواب
چھ صدیوں کی پیش رفت کا حاصل — انجینئر مختار فاروقی — 35

6۔ فقہ اسلامی کی تدوین نو — مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ — 48

7۔ صلح حدیبیہ....امور جہانبانی میں
فراست نبوی ﷺ کا شاہکار — سلطان شاہین — 54

8۔ اہل علم کی آراء اور تبصرے — 59

مشمولات — مئی 2012ء

1۔ قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات — 3

2۔ حرفِ آرزو — انجینئر مختار فاروقی — 6

3۔ خودی اور نشر توحید — ڈاکٹر رفیع الدین — 18

4۔ اس جل جلالہ کی پکڑ بہت سخت ہے — اوریا مقبول جان — 27

5۔ اسلوب قرآن اور قرآن فہمی — پروفیسر محمد اکرم چودھری — 31

6۔ مسلم نوجوانواں کی ذمہ داریاں — علامہ محمد اقبال — 40

7۔ صہیونیت کا انجام (ا) — انجینئر مختار فاروقی — 45

8۔ اہل علم کی آراء اور تبصرے — 57

مشمولات — جون 2012ء

1۔ قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات — 3

2۔ حرفِ آرزو — انجینئر مختار فاروقی — 5

3۔ جانشین پیغمبر حضرت صدیق اکبر h — حافظ مختار احمد گوندل — 12

4۔ ''مواقع النجوم'' کی قسم — انجینئر مختار فاروقی — 16

5۔ شکوہ اور جوب شکوہ صد سالہ یادگاری تقریب
شکوہ اور جوب شکوہ کا منظر و پس منظر 37
شکوہ اور جوب شکوہ نظمیں
6۔ جنوبی ایشیاء میں مسلم بیداری کے سو سال پر
رسائل وجرائد کے تبصرے 60

مشمولات جولائی 2012ء

1۔ قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات 3
2۔ حرفِ آرزو انجینئر مختار فاروقی 5
3۔ ہم کتنے ظالم ہیں! اوریا مقبول جان 7
4۔ اسبابُ المصائب شیخ عمر فاروق 11
5۔ عام مسلمان کی 'جہاد' سے عدم دلچسپی کی وجہ کہیں
مرزا قادیانی کے 'جہاد کر حرام' قرار دینے کا اثر تو نہیں؟ انجینئر مختار فاروقی 18
6۔ ہندو (اور دیگر غیر مسلم) مغل اعظم اکبر سے محبت اور
اورنگزیب عالمگیر سے نفرت کیوں کرتے ہیں؟ انجینئر مختار فاروقی 27
7۔ صہیونیت کا انجام (حصہ دوم) انجینئر مختار فاروقی 34
8۔ یاجوج وماجوج، ایک ملحد ومفسد گروہ انسانی محمد نذیر یٰسین 52

مشمولات اگست 2012ء

1۔ قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات 3
2۔ حرفِ آرزو
اللہ تعالیٰ کی پاکستان پر چند خصوصی عنایتیں انجینئر مختار فاروقی 6
3۔ ملکی حالات اور علماء کرام کی ذمہ داریاں مولانا زبیر احمد صدیقی 17
4۔ لیلۃ القدر اور تخلیق پاکستان عبدالرشید ارشد 24
5۔ خودی کی حقیقت (1) ڈاکٹر رفیع الدین 35
6۔ شا کلۃ کا مفہوم حافظ محمد مشتاق ربانی 48
7۔ خطبہ صدارت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ 52

8۔ احیائے خلافت سیمینار کی روداد 58

مشمولات ستمبر 2012ء

1۔ قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات 3
2۔ حرفِ آرزو 6
3۔ باب (1) یاجوج ماجوج کے تذکرے 9
4۔ باب (2) روئے ارضی پر نسل انسانی کا پھیلاؤ 57
5۔ باب (3) چند منہ بولتے حقائق ــــ چند ضمنی باتیں 113
6۔ حاصل کلام 133

مشمولات اکتوبر 2012ء

1۔ قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات 3
2۔ حرفِ آرزو انجینئر مختار فاروقی 5
3۔ یاجوج ماجوج نمبر کا تتمّہ انجینئر مختار فاروقی 25
4۔ خودی کی حقیقت (2) ڈاکٹر رفیع الدین 42
5۔ اہل علم کی آراء و تاثرات 54

مشمولات نومبر 2012ء

1۔ قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات 3
2۔ حرفِ آرزو انجینئر مختار فاروقی 5
3۔ توہین رسالت کیوں سنگین جرم ہے؟ انجینئر مختار فاروقی 9
4۔ خودی کی حقیقت (3) ڈاکٹر محمد رفیع الدین 25
5۔ موجودہ اسرائیلی ریاست کا مستقبل؟ محمد نذیر یٰسین 45
6۔ اہل علم کی آراء و تاثرات 56
7۔ THE RMAIN ARE US TARGET 61
Dr.S.Ausaf Saied Vasfi

دورِ صحابہ j کے بعد اور قیامِ پاکستان

سے پہلے وفات پا جانے والی

نامور اسلامی انقلابی شخصیات

پر مئی 2006ء سے مارچ 2008ء تک

قرآن اکیڈمی جھنگ میں

ماہانہ سیمینار منعقد ہوتے رہے ہیں

بعد ازاں حکمت بالغہ میں جون 2008ء نومبر 2010ء تک

ان سیمیناروں کی تفصیلی روداد شائع ہوتی رہی ہے

اَلحَمدُ لِلّٰہ

اب یہ معلومات

حصہ اوّل حصہ دوم حصہ سوم

کتابی شکل زیر طبع ہیں۔

اس طرح یہ قیمتی معلومات ایک وسیع حلقے تک پہنچ سکیں گی

مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ

زیر انتظام انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ 047-7628561

کیا آپ جانتے ہیں؟

- ☆ ذوالقرنین کون تھا؟
- ☆ یاجوج ماجوج کون ہیں؟
- ☆ ذوالقرنین کی تعمیر کردہ سدذوالقرنین کب تعمیر ہوئی؟
- ☆ سدذوالقرنین کہاں واقع ہے؟
- ☆ سدذوالقرنین کاختم نبوت سے کیاتعلق ہے؟
- ☆ کون سی قوم یاجوج ماجوج سے روابط رکھتی رہی ہے؟

یہ اوراس طرح کے دیگر چبھتے سوالات کے جوابات کے ساتھ

حکمت بالغہ کی ایک اورخصوصی اشاعت

یاجوج ماجوج نمبر

شائع ہوگئی ہے

صفحات:152 قیمت-/120روپے

مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ

زیرانتظام انجمن خدام القرآن (رجسٹرڈ) جھنگ

لالہ زارکالونی نمبر2،ٹوبہ روڈ جھنگ 047-7628561

(ادارہ)

انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

کے قیام کا مقصد

منبع ایمان......اور......سرچشمہ یقین

قرآنِ حکیم کے علم وحکمت کی

وسیع پیمانے پر......اور......اعلیٰ علمی سطح پر

تشہیر واشاعت ہے

تا کہ اُمت مسلمہ کے فہیم عناصر میں

تجدید ایمان کی ایک عمومی تحریک برپا ہو جائے

اور شاید اس طرح رسالت محمدی ﷺ کی منطقی انتہاء یعنی

اسلام کی نشأۃ ثانیہ اور غلبۂ دین حق کے دورِ ثانی

کی راہ ہموار ہو سکے

و ما النصر الا من عند الله